محفلِ میلاد پر مستقل اور عظیم کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' کے مولف استاذ المحدثین کا بھرپور تعارف

محفل میلاد
اور
امام ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ تعالیٰ

کاروان اسلام پبلیکیشنز

جامعہ اسلامیہ لاہور۔ ایچ بی ہاؤسنگ سوسائٹی (ٹھوکر نیاز بیگ) لاہور

042-5300353-4-0300-4407048

نام کتاب	محفل میلاد اور امام ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ تعالیٰ
مصنف	مفتی محمد خان قادری
اہتمام	محمد فاروق قادری
ناشر	کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور
طباعت اول	2010

ملنے کے پتے

☆ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی

☆ مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی کراچی ☆ مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی

☆ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی ☆ اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی

☆ اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ ☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

☆ مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لاہور

☆ مکتبہ دار العلم دربار مارکیٹ لاہور ☆ روحانی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور

☆ مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ کرمانوالہ دربار مارکیٹ لاہور

☆ قادری رضوی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور

کاروان اسلام پبلی کیشنز لاہور

جامعہ اسلامیہ لاہور۔ 1، میلاد سٹریٹ گلشن رحمان ٹھوکر نیاز بیگ لاہور

042,35300353...0300.4407048..

محفل میلاد اور امام ابن ابودحیہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ

اُن بیدار بخت خوش نصیبوں کے نام

جنہوں نے

مدینہ طیبہ میں آمدِ رسول ﷺ

کے موقع پر

استقبالیہ جلوس

کا اہتمام کیا اور ایسے اشعار پڑھ کر

اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا

طلع البدر علینا

من ثنیة الوداع

وجب الشکر علینا

ما دعا للہ داع

خادم اسلام

محمد خان قادری

الله
بسم الله الرحمن الرحيم
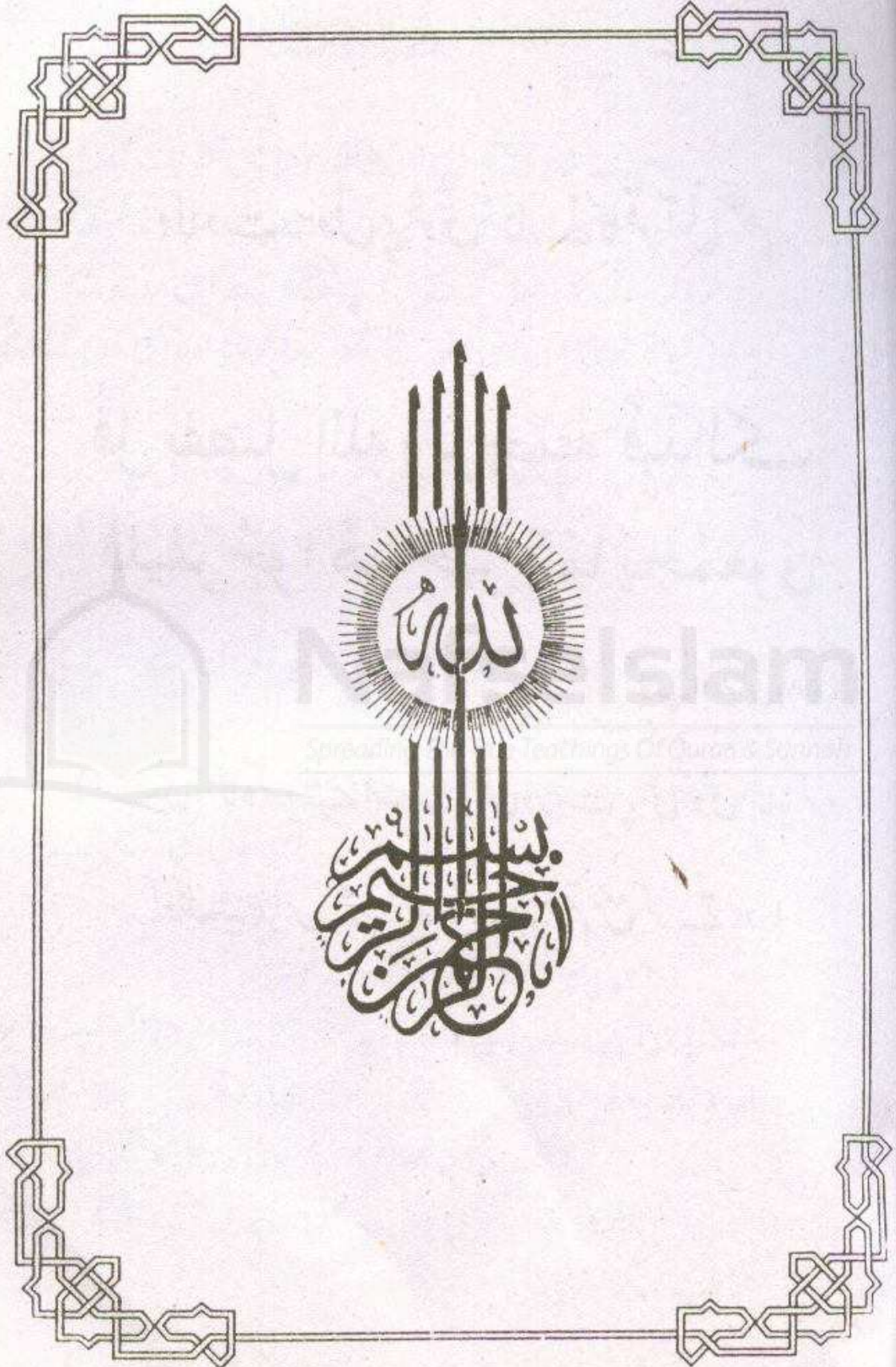
ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوشی منانے کا قرآنی حکم

قُل بفضلِ اللہِ وبِرحمَتہ فَبِذَالِکَ
فَلیَفرَحُوا ھُوَ خیرٌ مِّمّا یَجمَعون

(پ۱۱، یونس، ۵۸)

(اے نبی آگاہ کردیجیے اللہ کے فضل ورحمت پر ہی خوشی منایا کرو
کیونکہ یہ ہر اس شے سے بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبیب خدا ﷺ کی ولادت اور دنیا میں تشریف آوری کی خوشی میں حسب درجہ ہر مسلمان خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ خود سرور عالم ﷺ پیر کا روزہ رکھ کر اس خوشی کا اظہار کرتے ۔ آپ ﷺ سے اس روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس دن اللہ نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی دن نے مجھ پر اپنا کلام اور قرآن نازل کیا۔

جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے وہاں پر لوگ عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے لوگوں نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو بتایا۔

هذا اليوم الذى اظهر الله فيه موسىٰ و بنى اسرائيل علىٰ فرعون و نحن نصومه تعظيماً له

یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا ہم اس دن کی تعظیم کرتے اور روزہ رکھتے ہیں۔

اس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔

نحن اولىٰ بموسى منكم ثم امره بصومه

ہم یہودیوں کی نسبت موسیٰ کے زیادہ قریب ہیں پھر آپ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(البخاری:۱۔۲۶۸)

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

انتم احق بموسیٰ منھم فصوموہ — تم ان یہود سے حضرت موسیٰ کے زیادہ قریبی و تعلق دار ہو پس تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔

ایسے دلائل سے اہل علم و فضل نے نعمت کے دن' منانے پر استدلال کیا۔

پھر خوشی کے موقع پر جلوس و جلسہ کرنا' ہجرت کے موقعہ پر صحابہ کا عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صرف پسند ہی نہیں کیا بلکہ اس میں خود شرکت فرمائی۔ اس میں جھنڈے بھی تھے۔ اس میں یا محمد یارسول اللہ کے نعرے بھی تھے۔ ہر چوک میں استقبالیہ پروگرام بھی ہوئے' ترانے بھی پڑھے گئے۔ چونکہ سرور عالم ﷺ کا وجود مبارک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق پر خصوصی انعام ہے۔ لہٰذا امت بطور یاد احسان الٰہی آپ ﷺ کے یوم ولادت کے موقعہ پر محافل میلاد کا انعقاد کرتی ہے۔

یہ سلسلۂ خوشی انفرادی و اجتماعی سطح پر کسی نہ کسی صورت میں امت میں چلا آرہا تھا حکومتی سطح پر جس ایک حاکم نے اسے منایا ان کا اسم گرامی ابوسعید مظفرالدین احمد بن علی کوکبری (۶۳۰ ھ) ہے۔ اس پر تمام مورخین اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ حاکم نہایت ہی صالح' بہادر' سخی اور عادل ہیں۔

ہمارے ہاں چونکہ ضد اور ہٹ دھرمی' اس قدر پیدا ہو چکی ہے کہ دیانت داری کا فقدان محسوس ہوتا ہے مثلاً اسی حاکم اور اس دور کے عظیم محدث حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ کلبی (التنویر فی مولدالسراج المنیر کے مصنف) کے بارے میں بعض نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت ہی یکطرفہ کاروائی ہے۔ کاش ہم اپنی ضدوں سے بالاتر ہو کر حقائق سامنے لانا اپنا فریضہ بناتے تو آج امت کے لئے پریشانیاں لاحق نہ ہوتیں۔

مثلاً مولانا سرفراز خان صفدر نے ''مجلس میلاد کی تاریخ'' کے عنوان کے تحت لکھا۔

پوری چھ صدیاں گزر چکی تھیں کہ اس بدعت کا کہیں مسلمانوں میں رواج نہ سنا، یہ نہ تو کسی صحابی کو سوجھی نہ تابعی کو نہ کسی محدث کو اور نہ فقیہہ کو نہ کسی بزرگ کو اور نہ کسی ولی کو، یہ بات اگر سوجھی تو ایک مسرف بادشاہ کو اور اس کے ایک رفیق دنیا پرست مولوی کو۔ یہ بدعت ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکبری بن اربل (المتوفی' ۶۳۰ھ) کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف اور دین سے بے پرواہ بادشاہ تھا۔

(دیکھئے۔ ابن خلکان وغیرہ)

آگے چل کر لکھا۔

رعایا کی سادگی اور مذہبی شوق سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس نے اپنی ملکی سیاست کو محفوظ کیا اور حظ نفس کے لئے راستہ ہموار کیا اور جواز میلاد پر کتاب لکھنے والا وہ دنیا پرست مولوی اس کو مل گیا جس کی گندی اور ناپاک زبان سے سلف صالحین بھی نہ چھوٹے .... اس چالاک بادشاہ اور ہوشیار مولوی کے ساتھ وہ بے چارے پیر اور صوفی بھی مل گئے۔ جو دین کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے...... پھر جب بادشاہ اور ماہر نفسیات مولوی اور سادہ قسم کے صوفیا اس کام کو دین کا نام بتا کر عوام سے اپیل کریں تو عوام بے چارے اس میں کیوں نہ پھنسیں۔

(راہ سنت' ۱۶۲ تا ۱۶۳)

محترم مبشر لاہوری کہتے ہیں۔

اربل کا یہ حاکم ابوسعید کوکبری، مظفر الدین کوکبوری کے لقب سے معروف تھا ۵۸۶ ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے اربل کا گورنر مقرر کیا۔ مگر یہ بے دین، عیاش اور ظالم و سرکش ثابت ہوا جیسا کہ یاقوت حموی کہتے ہیں..........

آگے، بدعت میلاد اور نفس پرست علماء کے عنوان کے تحت لکھا۔

اس پر طرہ یہ کہ بعض خودغرض مولویوں نے بادشاہ وقت کی ان تمام خرافات کو عین شریعت اور کار ثواب قرار دے دیا۔

چنانچہ عمر بن حسن المعروف ابن دحیہ نامی ایک مولوی نے 'التنویر فی مولد البشیر النذیر' نامی کتاب لکھی جس میں کتاب و سنت کے نصوص کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اور انہیں تاویلات باطلہ کا لبادہ اوڑھا کر عید میلاد کو شرعی امر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ملاحظہ ہو البدایہ..........

(ماہنامہ محدث لاہور جون ۲۰۰۳ء

مولانا سعید الرحمٰن علوی نے لکھا۔

''صدیوں بعد ۶۰۴ میں موصل کے ایک حکمران مظفر الدین کوکبری بن اربل نے یہ دھندہ شروع کیا یہ ذات شریف کون تھی فضول خرچ بادشاہ''

علامہ ذہبی دول الاسلام صفحہ ۱۰۳ جلد ۲ پر لکھتے ہیں۔

''جس دنیا پرست مولوی نے اسے اس کام پر لگایا اس کا نام عمر بن دحیہ ابوالخطاب تھا۔''

(ماہنامہ نصرت العلوم" مئی ۲۰۰۴ء)

بندہ نے جب ان دونوں (حاکم و عالم) شخصیات کے بارے میں مطالعہ کیا تو حد یقین تک محسوس کیا کہ یہ حضرات نہایت ہی مظلوم ہیں۔ جو مخالفین میلاد نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آیئے ان حقائق کا مطالعہ کرتے ہیں۔

یاد رہے ہمارا مقالہ محفل میلاد اور شاہ اربل، مئی ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا اکتوبر ۲۰۰۶ء میں یہی مقالہ محفل میلاد اور امام ابن دحیہ کلبی طبع ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں تاریخ اسلام کے ان نامور مشاہیر کی خدمت کی توفیق دی۔

قارئین! ہم سب کا فرض ہے ان حقائق کو قوم کے سامنے لائیں تاکہ تاریخ اسلام پر جو کیچڑ اچھالا گیا ہے اس کا ازالہ کیا جاسکے اور آیندہ کسی کو ایسی جرأت ہی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ راہ اعتدال پر رہنے کی توفیق دے تاکہ امت کا افتراق و انتشار، اتحاد و یکجہتی سے بدل جائے۔

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

محمد خان قادری

جامع رحمانیہ شادمان لاہور

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

بوقت ۱ بجے دن بروز پیر

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء

مقلدین البانی کی توجہ کے لئے

جولوگ شیخ ناصر الدین البانی کی تحقیق ہی مانتے ہیں اور دیگر آئمہ امت کے اقوال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کے لئے یہ حوالہ بھی درج کیا جارہا ہے

امام ابن دحیہ کلبی کی کتاب 'اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب' شیخ ناصر الدین البانی اور محمد زہیر الشاویش کی تخریج وتحقیق سے ۱۹۹۸ء میں المکتب الاسلامی نے شائع کی اس کے ٹائیٹل پر موصوف کا نام ان القاب سے لکھا، الامام المحدث ابو الخطاب عمر بن حسن ابن دحیہ، پھر مقدمہ میں یہ تعارفی جملے نہایت ہی قابل توجہ ہیں

ولد سنة (٥٤٤) وقيل (٥٤٧) من اهل سبة وتولى قضاء دانية كان من حفاظ الحديث بصيرًا به وبلغة العرب واشعارها وايام الحروب، اجتمعت له الاجازات الكثيرة بالرواية عن علماء عصره له محفوظات وافية وادب ظاهر فصيح العبارة، ظاهری المذهب فی الفقة فحصل من العلوم

امام ۵۴۴ھ یا ۵۴۷ھ میں پیدا ہوئے سبتی ہیں دانیہ کے قاضی بنے حفاظ حدیث میں سے ہیں فن حدیث کے ماہر بلغت عرب، اشعار اور اس کی تاریخ کے فاضل ہیں اپنے وقت کے علماء سے انہیں روایت حدیث کے لئے کثیر اجازات حاصل تھیں ان کی تصانیف کامل، موقف واضح اور تحریریں شستہ ہیں ۔فقہ میں ظاہری المذہب ہیں، انھوں نے ایسے علوم حاصل کیے جو دوسروں کے لئے ممکن نہیں اور یہ علم کا

مالم يتيسر لغيره وكان من
اوعية العلم. سرياً نبيلاً من
اعيان العلماء..... وكان سنياً
مجانباً لاهل البدع

(مقدمہ، ۸-۹)

خزانہ اور چشمہ تھے یہ صاحب ثروت
وسخاوت بڑے فضلاء میں شامل تھے
،اہل سنت ہیں اور اہل بدعت سے دور
رہنے والے تھے
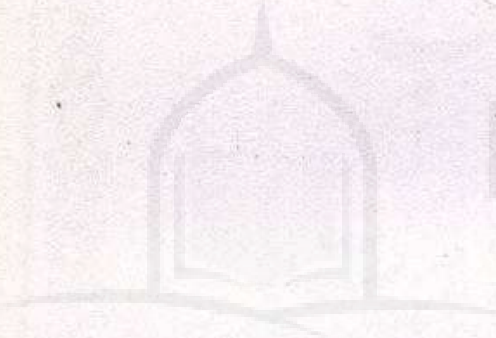
نام ونسب
تعلیم وتربیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان کا نام عمرؒ کنیت ابوالخطاب' ابن دحیہ کلبیؒ کے نام سے معروف ہیں۔ موصوف کے معاصر

۱۔ شیخ محمد بن سعید بن الدبیثی (۵۵۸۔۶۳۷) نے ان کا نام و نسب یوں لکھا ہے۔

عمر بن حسن بن علی بن محمد بن فرح الکلبی بن دحیہ ابوالخطاب' ذوالنسبین دحیہ والحسین یہ اپنے بارے میں لکھا کرتے۔ مجھے نسبتاً دوشرف حاصل ہیں کہ میں صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہوں۔

(المختصر المحتاج الیہ من تاریخ ابن الدبیثی' ۲۸۲)

۲۔ موصوف کے شاگرد شیخ حافظ ابوعبداللہ محمد بن محمود ابن نجار بغدادی (۵۷۸۔۶۴۳) نے ان کے نسب کے بارے میں لکھا۔

ورفع النسب الی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ولھذا کان یکتب بخطہ ذوالنسبین	یہ اپنا نسب والدہ کے حوالہ سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک بیان کیا کرتے اسی لئے

ابن دحية والحسين — اپنے کو ذوالنسبین ابن دحیہ الحسین لکھا کرتے۔

(المستفادمن ذیل تاریخ بغداد۔۲۰۵)

۳۔ یعنی والد کی طرف سے ان کا نسب صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی اور والدہ کی طرف سے نواسۂ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ شیخ ابوعبداللہ الابار (۵۹۵۔۶۵۸) لکھتے ہیں۔

كان يذكر انه من ولد دحية رضي الله عنه وانه سبط ابي البسام الحسيني — بیان کیا کرتے کہ وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور حضرت ابوالبسام حسینی کے نواسہ ہیں۔ (سیر اعلام۔۱۶؍۳۱۱)

ولادت

سبتہ میں ۵۴۴ یا ۵۴۸ ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی (ت۔۷۴۸) نے شیخ تقی الدین عبید سے ان کا سن ولادت ۵۴۶ بھی لکھا ہے لیکن اس کے بعد کہتے ہیں ۵۴۴ اور ۵۴۸ کا بھی قول ہے۔ (سیر اعلام۔۱۶؍۳۱۴)

تعلیم وتربیت

وہاں ہی کے اہل علم سے تعلیم و تربیت پائی۔ چونکہ مغرب اور اندلس میں مذہب اہل ظواہر زیادہ مقبول و عام تھا لہٰذا اسی مذہب کو اختیار کیا۔

اندلس میں اساتذہ

پھر سمندر عبور کر کے اندلس آئے اور وہاں ان نامور محدثین و علماء سے مزید تعلیم حاصل کی۔ امام ابوالقاسم بن بشکوال۔ امام ابوبکر بن الجد۔ امام ابوعبداللہ بن زرقون۔ امام ابوالقاسم بن جیش۔ امام ابوبکر بن خیر رحمھم اللہ تعالیٰ۔ اس طبقہ محدثین سے انہیں کثیر سماع حاصل ہے۔

منصب قضا

اندلس میں انہیں خوب علمی شہرت اور پذیرائی ملی۔ وہاں شہر دانیہ کے دو دفعہ منصب قضا پر فائز ہوئے۔

وہاں سے پھر مغرب چلے گئے۔ فاس اور مراکش جیسے علمی شہروں میں رہے۔

امام ابن صلاح

متعدد محدثین ان کے شاگرد ہیں۔ یہاں اتنا ذکر ہی کافی ہے کہ امت کے عظیم محدث امام ابن صلاح نے مؤطا ان سے پڑھا۔ امام ذہبی کے استاذ حافظ علم الدین قاسم بن محمد برزالی (ت۔۷۳۹) امام ابن صلاح سے نقل کرتے ہیں۔

سمعت المؤطا علی الحافظ بن دحیة — میں نے مؤطا حافظ ابن دحیہ سے پڑھا۔

(سیر اعلام۔ ۱۶، ۲۱۳)

سفر مشرق

اس کے بعد انہوں نے مشرق کا سفر کیا راستہ میں تلمسان کے شہر جایہ میں ٹھہرے۔ علمی شہرت و مقام کی وجہ سے وہاں کے بادشاہ ابوعبداللہ بن یرمور نے ان کا خوب احترام کیا۔ شیخ ابوالعباس احمد الغبرینی (۶۴۴-۷۱۴) لکھتے ہیں۔

دخل بجاية وا ستوطنها مدة ابی عبدالله ابن يرموز وروى بهاوا سمع وكان معتنی به فيها

یہ جایہ آئے اور ابوعبداللہ بن یرموز کے دور میں وہاں ٹھہرے وہاں حدیث پڑھتے پڑھاتے رہے اور ان کا وہاں خوب احترام ہوا۔

(عنوان الدرایہ:۲۷۰)

بلکہ ڈاکٹر ابراہیم بن الصدیق غماری نے یہ اضافہ بھی نقل کیا۔

ورتبه استاذا لابنه (حقیقۃ المحضر - ۱۵۵)

اس حاکم نے انہیں اپنے بیٹے کا استاذ مقرر کیا۔

تیونس میں آمد

۵۹۵ھ میں تیونس تشریف لائے۔ وہاں استاذ علماء مغرب و اندلس کے حوالہ سے حدیث پڑھاتے رہے۔ امام ذہبی رقم طراز ہیں۔

وحدث بتيونس فی سنة ثم حج و کتب بالمشرق (سیر اعلام - ۱۶، ۳۱۲)

۵۹۵ ہجری میں تیونس میں حدیث پڑھائی پھر حج کیا او رمشرق کی طرف گئے۔

اس کے بعد مصر، شام اور عراق گئے۔ حج کی سعادت حاصل کی، اصبہان، نیشاپور اور کثیر شہروں میں گئے۔

شاہ اربل سے ملاقات

۶۰۴ھ میں خراسان جاتے ہوئے شہر اربل میں تشریف لائے۔ وہاں کے حاکم مظفر الدین کوکبری (ت۔۶۳۰ھ) سے ملاقات ہوئی۔

یہ بادشاہ نہایت ہی سخی، صالح، علم دوست، کفایت شعار، سادہ اور رحم دل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کفار کے خلاف جہاد کرنے والوں کی سرپرستی کرتا، اس کے دیگر امور خیر میں سے ایک عظیم محفل میلاد کا انعقاد بھی ہے۔ جس میں وقت کے تمام محدثین، علماء اور صوفیہ شریک ہوا کرتے۔ حافظ ابن دحیہ کلبی نے جب ان کا یہ عمل خیر دیکھا تو خوش ہوئے اور محسوس کیا مجھے اپنا دینی فریضہ نبھاتے ہوئے اس موضوع پر کچھ لکھنا چاہئے تو وہاں کتاب 'التنویر فی مولد السراج المنیر' لکھی۔ موصوف کے معاصر شیخ شمس الدین بن خلکان (ت۔۶۵۴ھ) لکھتے ہیں۔

قدم مدینة اربل فی سنة اربع و ستمائة وهو متوجه الی خراسان فرایٔ صاحبها الملك المعظم مظفر الدین بن زین الدین رحمه الله تعالٰی مولعا بعمل مولد النبی صلی

وہاں کے حاکم مظفر الدین بن زین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو محافل میلاد النبی ﷺ کا اہتمام کرنے والا پایا تو اس موضوع پر کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تحریر کی اور اسے خود سنایا۔

الـلـه علـيـه وسـلـم عـظيـم الاحـتـفـال بـه فـعـمل له كتابا سـمـاه كتاب التنوير فی مولد السراج الـمـنير وقرأه عليـه بـنـفسه وسمعناه علی الملك الـمـعظم فی ست مجالس فی جـمـادی الاخرة سنة خمـس وعشرين و ستمائة

ہم نے جمادی الاخر ۶۲۵ میں ملک معظم کی منعقدہ چھ مجالس میں بادشاہ کے ہاں ہی اس کتاب کے سننے کا شرف پایا۔

(وفیات الاعیان۔۳'۳۹۴)

شیخ مبارک بن احمد موصلی ابن شعار (۶۵۴) لکھتے ہیں۔ امام ابن دحیہ شہر اربل آئے۔

واتـصـل سـلـطـانها الملك الـمعظم مظفر الدين ابی سعيد كـوكـبـری بـن عـلـی بن بـكـتـكبيـن فبالغ فی اكرامه وانـعـم عـلـيـه انـعـاماً عظيماً وصـنـف لـه كتاباً سماه كتاب الـتـنـويـر فی مـولـد الـسـراج الـمـنـيـر ويتضمن ذكر ولاوة الـنـبی صـلـی الله عليه وسلم

اور ان کا وہاں کے حکمران مظفر الدین ابوسعید کوکبری بن علی بن بکتکبین سے رابطہ ہوا۔ حاکم ان کا خوب احترام بجا لایا اور انہیں خوب نعمتوں سے نوازا۔ جب انہوں نے سلطان کو محافل میلاد النبی ﷺ کا شیدائی' اس میں محبت اور اس کا خوب شغف دیکھا تو انہوں نے اس کے لئے وہاں

حین راہ مغری بمولد النبی صلی الله علیه وسلم وشدة شغفه بذلك واصغائه الیه وهذا کتاب التنویر کنت احد من سمعه علی الملك مظفر الدین فی جمادی الاخرة سنة خمس وعشرین وست ماة برباط الصرفیة بحق روایته عن مصنفه الامام ابی الخطاب

(عقود الجمان۔ ۳۱۰٬۵)

یہ کتاب لکھی۔ التنویر فی مولد السراج المنیر ۔ جو سرور عالم ﷺ کے ذکر ولادت پر مشتمل تھی۔ بندہ نے کتاب التنویر رباط صوفیہ میں جمادی الاخر سن ۶۲۵ میں سلطان مظفر الدین کے پاس سامعین کے ساتھ سنی جو مصنف کتاب امام ابوالخطاب کی روایت ہی سے تھی۔

نوٹ

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ شاہ اربل ان کی ملاقات سے پہلے ہی محفل میلاد سجایا کرتے یہ نہیں کہ ان کی کتاب وفتویٰ کے بعد انہوں نے یہ عمل شروع کیا جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات میں تصریح ہے۔

تفصیل کے لئے بندہ کی کتاب ''محافل میلاد اور شاہ اربل'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

سابقہ دونوں عبارات کے ان الفاظ پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔

۱۔ فرأی صاحب اربل مولعاً انہوں نے شاہ اربل کو محافل میلاد

بعمل مولد النبی صلی الله علیه وسلم عظیم الاحتفال فعمل له کتاباً

پاک کو بڑے اہتمام سے کرتے دیکھا تو کتاب لکھی۔

٢۔ فصنف له کتاب حین راه مغری بمولد النبی صلی الله علیه وسلم وشده شغفه بذلك

جب بادشاہ کو میلاد کا شیدائی اور اس میں اس کا شدید شغف دیکھا تو کتاب لکھی۔

(سیر اعلام۔ ١٦، ٢١٣)

بادشاہ کا انعام

شاہ اربل نے علم دوستی کا اظہار کرتے ہوئے علمی خدمت پر حافظ ابن دحیہ کو انعام دیا۔

شیخ ابن خلکان لکھتے ہیں۔

ولما عمل هذا الکتاب دفع له الملك المعظم المذکور الف دینار

جب انہوں نے کتاب لکھی تو ملک معظم نے انہیں ہزار دینار پیش کیا۔

(وفیات الاعیان۔ ٣، ٤٤٩)

کتاب کی مقبولیت و مقام

اہل علم ہمیشہ سے اس کتاب کی تعریف کرتے آئے ہیں۔

عظیم مفسر قرآن حافظ عماد الدین ابن کثیر (ت۔ ٧٧٤) اس کتاب کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

وقد وقفت على هذا الكتاب وكتبت عنه اشياء حسنة مفيدة	بندہ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے نہایت ہی خوبصورت و مفید باتیں نوٹ کی ہیں۔

(البدایہ۔ ۱۳، ۱۵۵)

مصر میں سکونت

انہوں نے عمر کا آخری حصہ مصر میں بسر کیا۔ یہ ان کی علمی شہرت کے عروج کا دور ہے۔

ملک سلطان کامل کی تعلیم و تربیت

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی سلطان عادل بن ایوب نے اپنے بیٹے سلطان کامل کی تعلیم و تربیت کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں۔ بعد میں یہی حکمران بنے۔ انہوں نے ہی دمیاط میں صلیبیوں کو شکست دی۔

امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں۔

وعاد الى مصر فاستادبه الملك العادل لابنه الكامل ولى عهد	یہ مصر آئے تو سلطان عادل نے اپنے ولی عہد بیٹے کو ان سے تعلیم دلوائی۔

(سیر اعلام۔ ۱۶، ۳۱۲)

الکاملیہ دارالحدیث کا قیام

اسی سلطان کامل نے مصر میں الکاملیہ دارالحدیث قائم کیا جس کے پہلے سربراہ شیخ الحدیث یہی عالم بنے۔

حافظ ابن کثیر (ت۔۷۷۴ھ) اس حقیقت کو یوں اشکار کرتے ہیں۔

الحافظ شیخ الدیار المصریة فی الحدیث وھواول من باشر مشیخة دارالحدیث الکاملیة بھا

یہ حافظ حدیث، دیارِ مصر میں حدیث کے استاذ اور دارالحدیث کاملیہ کے پہلے شیخ الحدیث ہیں۔

(البدایہ۔۱۳، ۱۵۵)

محدثین وقت کا متفقہ فیصلہ

انہیں جو دارالحدیث کا سربراہ بنایا گیا یہ فقط تنہا سلطان کا فیصلہ نہ تھا بلکہ اس دور کے تمام محدثین اور اہلِ علم کا متفقہ فیصلہ تھا۔ شیخ ابوالعباس احمد بن عبداللہ الغبرینی (۷۱۴) اس حقیقت و فیصلہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ حافظ أبوالخطاب کا مقام علمی یہ ہے۔

فرعواشانه و قربوا مکانه وجمعواله علماء الحدیث و حضرواله مجلسا اقروافیه بالتقدم واعترفواله انه من اولی الحفظ والاتقان والتفھم

ان کی شان مشہور اور ان کا مقام اونچا، محدثین نے جمع ہو کر مجلس کا انعقاد کیا جس میں ان کی علمی فوقیت کا اقرار اور یہ اعتراف کیا کہ اس وقت یہ سب سے زیادہ

وسمعت انهم ذكروا الاحاديث باسانيد حولوا متونها وانه عاد المتون وعرف عن تغييرها ثم ذكر الاحاديث على ماهى عليه من متونها الاصلية
(عنوان الدرایہ۔۲۷۲)

صاحب حفظ و ضبط اور صاحب فہم ہیں اور میں نے یہ بھی سنا ہے بطور آزمائش محدثین نے کچھ احادیث کے متون لے کر دیگر اسناد کے ساتھ بیان کیا تو وہ اس تبدیلی سے آگاہ ہو گئے تو انہوں نے ان احادیث کو متون اصلیہ کے ساتھ بیان کر دیا۔

اس عبارت میں ان کا صاحب ضبط و حفظ اور اتقان ہونا نہایت ہی قابل توجہ ہے۔

شیخ مؤید عماد الدین ابوالفدا (ت۔۷۳۲) اس سلطان کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

وكان الملك الكامل ملكا جليلاً مهيباً حازما حسن التدبير امنت الطريق فى ايامه ...... فعمرت فى ايامه ديار مصر اتم العمارة وكان محبا للعلماء ومجالستهم وكانت عنده مسائل غريبة فى الفقه والنحو يمتحن بها الفضلاء

سلطان کامل جلیل القدر، بارعب سنجیدہ فکر اور اعلیٰ تدبیر کے مالک تھے ان کے دور میں مثالی امن تھا۔ دیار مصر نے ان کے دور میں خوب ترقی کی۔ یہ اہل علم اور ان کی مجالس سے محبت کرتے ان کے ہاں کچھ ایسے عجیب فقہی ونحوی مسائل تھے آنے والے علماء سے

واذا حضروا فی خدمته وکان کثیرا السماع للاحادیث النبویة تقدم عنده بسببها الشیخ عمر بن دحیة وبنی له دار الحدیث بین القصرین فی الجانب الغربی وکانت سوق الاداب والعلوم عنده نافقة رحمه الله تعالٰی (المختصر فی اخبار البشر۔۲، ۲۶۳)	بطور آزمائش پوچھتے، احادیث نبویہ انہوں نے خوب و کثیر حاصل کی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کے ہاں شیخ عمر بن دحیہ کا مقام سب سے فوق تھا۔ ان کے لئے مغربی جانب قصرین کے درمیان دارالحدیث قائم کیا۔ ان کے ہاں آداب و علوم کی رونق لگی رہتی تھیں۔

اس عبارت میں شیخ موصوف کا علم حدیث میں مقام اشکار ہو رہا ہے۔

سلطان کامل اور احترام

شیخ ابن النجار (ت۔۶۴۳) لکھتے ہیں کہ سلطان کامل احتراماً مصنف کے جوتے سیدھے کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتے۔

وصادف قبولاً من السلطان الکامل محمد بن الملک العادل ابوبکر بن ایوب اقبل علیه اقبالاً عظیماً وکان یعظمه ویحترمه و یعتقد فیه و یتبرک به وسمعت من یذکر انه یسوی	سلطان کامل محمد بن سلطان عادل ابوبکر بن ایوب کے ہاں کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ وہ ان کا بہت ہی احترام و عزت کرتے، ان کے عقیدت مند اور ان سے برکات حاصل کرتے۔ میں نے یہ

له المداس حين يقوم وبنى له دار اللحديث كان يحدث بها	بھی سنا کہ جب قیام فرماتے تو سلطان جوتے سیدھے کرتے' ان کے لئے دارالحدیث بنایا جہاں وہ حدیث پڑھاتے۔

نوٹ

کسی درباری مولوی کو یہ مقام ملتا ہے؟

سماع کتب

شیخ ابن نجار نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ میری موجودگی میں کسی دفعہ سلطان کامل نے حافظ موصوف سے ان کی کتب کا درس لیا۔

وكان ابن دحيه يحضر فى كل جمعة ويصلى عند السلطان ويقرأ عليه شيأ من مجموعاته فى مجلس السلطان وكنت حاضرا (ذیل تاریخ بغداد۔۲۰ /۱۴۱)	امام ابن دحیہ ہر جمعہ کو وہاں تشریف لاتے نماز ادا کرتے اور اپنی کتب و مجموعات میں سے مجلس سلطان میں کچھ بیان بھی کرتے اور میں وہاں حاضر تھا۔

مقام وشان علمی
امام وحافظ حدیث

تمام اہل علم نے انہیں اپنے دور کے عظیم حافظ حدیث اور ماہر فنون قرار دیا ہے۔

امام و حافظ حدیث

یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ حافظ حدیث ان کے نام کا حصہ ہے۔ یعنی یہاں بھی ان کا نام آیا تو حافظ ابوالخطاب ہی لکھا۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ امام نووی (۶۷۶) شرح مسلم میں روایت کے الفاظ وراء وراء کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد جرى فى هذا كلام بين الحافظ ابى الخطاب بن دحية والامام الاديب ابى اليمن الكندى فروا هما ابن دحية بالفتح وادعى انه الصواب

(المنهاج۔ ۱۴۳/۷)

اس میں حافظ ابوالخطاب بن دحیہ اور امام ادیب ابوالیمن کندی کے درمیان نزاع ہوا تو ابن دحیہ نے ان دونوں پر زیر پڑھی اور اس کے درست ہونے کا دعویٰ کیا۔

۲۔ امام جلال الدین سیوطی (ت۔۹۱۱) انہیں کا حوالہ ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

قال الحافظ ابن دحية اختص النبي صلى الله عليه وسلم بانه كان له قتل من غير بينة لايجوز ذلك لغيره
(طرح السقط۔۷۴)(شعلہ نار۔۹۵)

حافظ ابن دحیہ نے فرمایا حضور ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ بغیر گواہی قتل کا حکم دے سکتے ہیں اور یہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔

۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن محمود بغدادی ابن نجار (۶۴۳) انہیں حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے لکھتے۔

وكان حافظاً ماهراً في علم الحديث
(ذیل تاریخ بغداد لابن نجار۔۴۲۰)

یہ حدیث کے حافظ اور ماہر ہیں۔

۴۔ شیخ مبارک بن احمد بن شعار (۶۵۴) اس حقیقت کو یوں اشکار کرتے ہیں۔

محدث حافظ امام فاضل عارف بالقرآن واللغة وتفسير القرآن الكريم

محدث، حافظ حدیث، امام، فاضل، قرآن، لغت اور تفسیر قرآن کے ماہر۔

۵۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ القضاعی ابن الابار (۶۵۸) موصوف کی شان علمی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

كان بصيراً بالحديث معتينا بتقييده مكباً على سماعه
(التکملۃ لکتاب الصلۃ۔۱۶۴۳)

حدیث کے ماہر اور ان میں قیودات سے واقف اور حصول حدیث پر متوجہ۔

۶۔ امام شمس الدین ذہبی (۷۴۸) فرماتے۔

الامام العلامہ الحافظ الکبیر	امام۔ علامہ۔ حافظ کبیر

(تذکرۃ الحفاظ۔ ۴/۱۴۲۰)

۷۔ شیخ حافظ مؤرخ منصور بن سلیم سکندرانی (۶۷۳) کے الفاظ ہیں۔

کان اماماً فی الحدیث واللغۃ سمع بالمغرب ومصر والعراق والخراسان	حدیث ولغت کے امام، مغرب، مصر، عراق اور خراسان میں علم حدیث حاصل کیا۔

(الذیل علی تکمۃ الاکمال۔ ۸۸۹)

۸۔ شیخ ابوالعباس احمد بن عبداللہ الغبرینی (۷۱۴) ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الشیخ الفقیہ الحافظ المتقن النحوی اللغوی التاریخی ابوالخطاب عمر بن الحسن بن علی بن دحیۃ الکلبی من کبار المحدثین ومن الحفاظ الثقات الاثبات المحصلین	استاذ، مجتہد، حافظ، کامل الضبط، نحو و لغت اور تاریخ کے ماہر، ابوالخطاب عمر بن حسن بن علی بن دحیہ کلبی، یہ کبار محدثین اور ثقہ حفاظ اور مستند اساتذہ میں سے ہیں۔

(عنوان الدرایہ۔ ۲۷)

۹۔ امام شمس الدین ذہبی نے سیر میں یہ القابات دیے ہیں۔

الشیخ العلامہ المحدث	استاذ، علامہ، محدث، حدیث کے

الرحال المتقن مجد الدين ابو الخطاب

لئے کثیر سفر کرنے والے' کامل الضبط' مجد الدین ابوالخطاب

(سیر اعلام۔ ۱۶'۳۱۱)

۱۰۔ میزان میں کہتے ہیں۔

وكان بصيرا بالحديث لغته ورجاله ومعانيه

(ميزان الاعتدال۔۳'۱۸۶)

حدیث کی لغت' اس کے راویوں اور اس کے معانی سے کامل آگاہ ہوگا۔

۱۱۔ المغنی میں رقم طراز ہیں۔

امام لكن اتهم بالمجازفة فی نقله

(المغنی فی الضعفاء۔۲'۴۴۳۴)

امام ہیں لیکن نقل میں غیر محتاطی کا ان پر اتہام ہے۔

۱۲۔ العبر میں ان کا تعارف یوں کرواتے ہیں۔

الحافظ اللغوی روی عن ابی عبدالله بن زرقون وابن الجد وابن بشكوال وطبقتهم عنی بالحديث اتم عناية

(العبر فی خبر من غبر۔۲'۲۳۰)

حافظ حدیث' لغت کے ماہر' امام ابوعبداللہ بن زرقون' امام ابن الجد اور امام ابن بشکوال اور اس طبقہ کے دیگر محدثین سے حدیث لینے والے اور حصول حدیث میں نہایت ہی اہتمام کرنے والے ہیں۔

۱۳۔ قاضی شمس الدین ابن خلکان (۶۸۱) ان کی عظمت و مقام میں یوں رقم طراز ہیں۔

كان ابو الخطاب المذكور من اعيان العلماء و مشاهير الفضلاء متقناً علم الحديث النبوی وما تعلق به عارفاً بالنحو واللغة وايام العرب واشعارها واشتغل لطلب الحديث فی اكثر بلاد الاندلس الاسلامية ولقی بها علماءها ومشائخها ثم رحل منها الی برالعدو دخل مراكش واجتمع بفضلائها كل ذلك فی طلب الحديث والاجتماع بائمته والاخذعنهم وهو فی تلك الحال يؤخذ عنه ويستفاد عنه
(وفیات الاعیان۔۳، ۳۹۴)

شیخ ابوالخطاب علماء کبار اور فضلاء مشاہیر میں سے ہیں حدیث نبوی اور اس سے متعلقہ علوم کے کامل ماہر نحو، لغت، حالات عرب اور ان کے اشعار کے عارف ہیں۔ اکثر بلاد اندلسیہ اسلامیہ میں حصول حدیث میں مشغول رہے وہاں کے علماء و مشائخ سے ملے، وہاں سے عدو کا سفر کیا مراکش آئے اور وہاں کے اہل فضل سے ملے...... یہ تمام اسفار طلب حدیث اور آئمہ حدیث سے ملاقات اور ان سے استفادہ کے لئے تھے اب وہ اس مقام پر ہیں کہ ان سے حدیث حاصل کرتے ہوئے خوب استفادہ کیا جائے۔

۱۴۔ حافظ مغرب شیخ احمد بن محمد المقری تلمسانی (۱۰۴۱) ان کا علمی پایہ یوں لکھتے ہیں۔

حدث وافاد وكان من اعيان العلماء و مشاهير الفضلا

حدیث پڑھائی اور خوب خدمت کی یہ کبار علماء اور مشہور فضلاء میں

متقنا لعلم الحديث و ما يتعلق به عارفاً بالنحو و اللغة وايام اشعارها (نفح الطیب۔۔۳۰۶/۲)	سے ہیں حدیث نبوی اور اس سے متعلق علوم کے بڑے ماہر' نحو' لغت اور حالات و اشعار عرب کے عارف تھے۔

۱۵۔ شیخ ابوجعفر بن الزبیر کے الفاظ میں۔

و کان معتیناً بالعلم مشارکاً فی فنون منه مجتهدا معتینا بالاخذ عن الشیوع ذاکرا للتاریخ والاسانید ورجال الحدیث والجرح والتعدیل (صلة الصلة)	یہ علم کا بڑا اہتمام کرنے والے' متعدد فنوں کے جامع' مجتہد' شیوخ سے حدیث اہتمام سے حاصل کرنے والے' تاریخ' اسانید راویاں حدیث اور جرح وتعدیل کے حافظ تھے۔

اعتراضات کی حقیقت
اور
ان کا تجزیہ
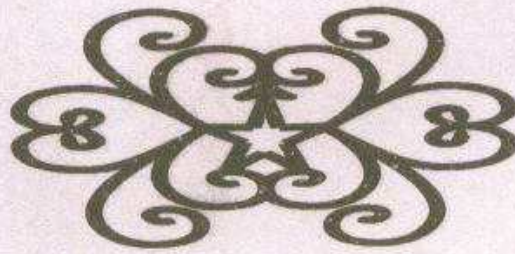
اب ہم ان کی شخصیت پر وارد کردہ اعتراضات کا جائزہ لیں گے کہ کہاں تک ان میں صداقت ہے۔

۱۔ اعتراض اوّل

صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد نہ تھی

یہ عالم خود کو صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کہتے ہیں حالانکہ ان کی اولاد ہی نہ تھی۔

امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی (۷۴۸) ان کا نسب لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے ثبوت نسب باطل ہے۔

ان دحية لم يعقب — کیونکہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد ہی نہیں۔

(میزان الاعتدال ۔۳،۱۸۶)

شیخ ابن نجار، شیخ ابراہیم سنہوری کے حوالہ سے کہتے ہیں۔

وليس نسبه بصحيح ودحية لم يعقب — ان کا نسب صحیح نہیں اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں۔

(ذیل تاریخ)

انہوں نے شیخ ابوالمحاسن محمد بن عنین (۶۳۰) سے ایسے اشعار نقل کیے جن میں یہی ہے کہ ابن دحیہ کا اپنے کو صحابی رسول کی اولاد کہنا درست نہیں کیونکہ ان کی اولاد ہی نہیں۔ (ایضاً)

شیخ یوسف سبط بن جوزی (۶۵۴) نے اپنے شیخ تاج الدین کندی نحوی کے حوالہ سے لکھا۔ شیخ ابن دحیہ اپنے کو اولاد صحابی میں شامل کرتے ہیں حالانکہ۔

ودحیة باجماع المحدثین ماعقب

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے بے اولاد ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔

(مرأۃ الزمان۔ ۶۹۸/۸)

جواب۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد تھی

۱۔ اہل علم کی تحقیق کے مطابق حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ان کی اولاد نہ تھی بلکہ ان کی اولاد تھی۔

امام ابن جریر طبری حوادثات سن ۱۲۶ ھ کے تحت لکھتے ہیں۔

فیھا ندب یزید بن الولید لولایة العراق عبدالعزیز بن ھارون بن عبدالله بن دحیة بن خلیفة الکلبی فابیٰ

(تاریخ طبری۔ ۲۵۶/۴)

یزید بن ولید نے عراق کی گورنری کے لیے عبدالعزیز بن ہارون بن عبداللہ بن دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

۲۔ ان پر جب یہ اعتراض اٹھایا گیا تو انہوں نے اس کے ردو جواب میں مستقل کتاب لکھی جس کا نام ''المرھف الھندی فی الرد علی التاج الکندی'' ہے۔ شیخ ابن عسکر اور مراکشی نے اس کا یہی نام لکھا مگر شیخ ہندی نے الوافی (۱۵۔۵۳) میں اور شیخ اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین (۵۔۷۸۶) میں اس کا نام ''الصارم الھندی فی الرد علی الکندی'' تحریر کیا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالملک مراکشی (۶۳۴۔۷۰۳) نے اس معاملہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا۔

شیخ ابن دحیہ کے بارے میں امام النحاۃ ابوالیمن زید بن حسن الکندی نے کہا یہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں کیونکہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہی نہیں تو ان کے رد میں شیخ ابن دحیہ نے یہ کتاب لکھی المرھف الھندی فی الرد علی التاج الکندی، جس میں ثابت کیا حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہے اور میں اُن کی اولاد میں سے ہوں۔

لقد قال فی ابن دحیة تاج الدین رئیس النحاة ابوالیمن زید بن الحسن الکندی انه کاذب فیما ادعاه من ذلك وذکر ان دحیة رضی الله عنه لم یعقب فرد علیه ابن دحیة هذا بکتاب سماه المرهف الهندی فی الرد علی التاج الکندی واثبت فیه ان دحیة رضی الله عنه قد اعقب وانه من ذریته

(الذیل والتکملۃ۔ ۸/۲۱۵)

۳۔ اس تحقیق کی بناء پر اہل علم نے اس طعن کا ہمیشہ سے رد کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) امام ابن جریر طبری کی عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ھذا یدل علی غلط من زعم ان دحیة لم یعقب (لسان المیزان۔ ۴، ۲۹۵)	اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہ تھی۔

ڈاکٹر محمد بن شریفہ نے الذیل کی مذکورہ عبارت پر اس طعن کے بارے میں لکھا۔

وھو طعن لا یبرأ من الھویٰ (التعلیق علی الذیل۔ ۸، ۲۱۵)	یہ ایسا اعتراض ہے جو خواہش نفس سے بالا نہیں۔

۴۔ اندلس کے دو مؤرخ ایسے ہیں جنہوں نے بلاد اندلس، وہاں کے اہل علم، رجال اور نساب پہ خوب تحقیق کی ہے۔ وہ شیخ ابن الابار اور شیخ ابن زبیر ہیں۔ انہوں نے ابن دحیہ کے نسب پر یہ اعتراض تو کجا بلکہ اسے تسلیم کیا ہے۔

شیخ حافظ ابوعبداللہ محمد ابن الابار اندلسی (ت۔ ۶۵۸) نے لکھا۔

شیخ ابن دحیہ کلبی۔

وکان یذکر عنه انه من ولد دحیة ین خلیفة الکلبی وسبط ابن البسام العلوی	کے بارے میں یہی منقول ہے کہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ابن بسام علوی

الفاطمی نزیل میورقة   فاطمی مقیم میورقہ کے نواسہ ہیں۔

(التکملۃ۔۳، ۱۶۴)

اس طرح شیخ ابوجعفر بن ابراہیم بن الزبیر (ت۔۷۰۸) کہتے ہیں ان کا تعارف یہ ہے۔

عمر بن حسن بن علی بن محمد بن فرح بن خلف من ولد دحیة بن خلیفة الکلبی رضی الله عنه من اهل السبة

عمر بن حسن بن علی بن محمد بن فرح بن خلف یہ اہل سبتہ سے اور حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔

(الصلۃ۔۴، ۶۵)

۵۔ یاد رہے ان کے نسب پر یہ اعتراض کسی مغربی اور مشرقی نے نہیں اٹھایا۔ یہ محض سنھوری کے بعد ہی سامنے آیا یعنی اس اعتراض کا کوئی اور ماخذ ہی نہیں اور پیچھے تفصیل سے آچکا کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی اولاد تھی۔

۲۔ اعتراض ثانی۔ آفت ذہنی

انہیں ذہنی مرض تھا جب وہ عارض ہوتا تو یہ سب کچھ بھول جاتے اس موقع پر معلومات محفوظ نہ رہتی یہ نہ جانتے کیا کہا اور کیا کہنا ہے؟

جواب

انہیں بلاشبہ کبھی یہ تکلیف عارض ہو جاتی تھی مگر تمام اہل علم نے یہ تصریح کی ہے کہ جب یہ عارضہ ختم ہوتا تو ان کی یادداشت مکمل طور پر

لوٹ آیا کرتی یہی وجہ ہے انہیں تمام اہل علم نے ثقہ، صاحب حفظ و ضبط لکھا ہے۔

پیچھے تفصیلاً حوالہ جات آئے ہیں تمام لوگ انہیں حافظ حدیث ہی مانتے ہیں کچھ تصریحات یہاں بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

ا۔ شیخ ابوالعباس احمد بن عبداللہ الغبرینی (ت۔۷۱۴) ان کا تعارف کرواتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

الشیخ الغقیه الحافظ المتقن النحوی اللغوی التاریخی ابو الخطاب عمر بن حسن بن علی بن دحیة الکلبی من کبار المحدثین ومن الحافظ الثقات الاثبات المحصلین

(عنوان الدرایه:۲۷۲)

استاذ، مجتہد، حافظ حدیث، کامل الضبط، نحو، لغت اور تاریخ کے ماہر، ابوالخطاب عمر بن حسن بن علی بن دحیہ کلبی، کبار محدثین، ثقہ حفاظ اور مستند شیوخ میں سے ہیں۔

انہوں نے ہی کاملیہ دارالحدیث کے سربراہ بنانے کے بارے میں لکھا۔ اس دور کے محدثین جمع ہوئے۔

واقروا فیه بالتقدم واعترفوا له انه من اولی الحفظ و الاتقان والتفهم

(عنوان الدرایه ۲۷۲)

تمام اہل علم نے ان کی فوقیت کا اقرار کیا اور اعتراف کیا کہ یہ سب سے زیادہ صاحب حفظ و اتقان اور معاملہ فہم ہیں۔

۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن محمود ابن نجار بغدادی (ت۔۶۴۳) کے

الفاظ ہیں۔

وکان حافظاً ماهراً فی علم الحدیث — یہ حدیث کے حافظ اور اس کے ماہر ہیں۔

(ذیل تاریخ بغداد۔ ۲۰/۱۴۱)

۳۔ شیخ ابوجعفر بن زبیر (ت۔ ۷۰۸) ان کے علم وفضل اور حدیث و رجال حدیث کی معرفت و مہارت میں ان کا کمال لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔

عرفنی بحاله وحال اخیه ابی عمرو عثمان الشیخان ابوالحسن الغافقی وابوالخطاب ابن خلیل وکانا قد صحباها طویلاً و خبراهما جملة وتفصیلاً الا انهما ذکر اهما بانحراف فی الخلق وتقلب لم یشنها غیره ووصفاها بالثقة والعدالة والسداد والاعتناء التام

(صلة الصلة۔ ۷۳)

مجھے ان کے اور ان کے بھائی شیخ ابوعمرو عثمان کے بارے میں دو اساتذہ شیخ ابوالحسن غافقی اور شیخ ابوالخطاب بن خلیل جو ان کے پاس طول عرصہ تک پڑھتے رہے نے ہمیں تمام تفصیل بتائی ہاں ان کی طبعی سختی و اعراض کے علاوہ کوئی عیب بیان نہیں کیا انہوں نے ان دونوں بھائیوں کو نہایت ہی ثقہ، عادل، صواب رائے اور علم کا نہایت اہتمام کرنے والا بتایا۔

یعنی ان کی طبیعت میں کچھ سختی اور تبدیلی آئی مگر ثقاہت و حفظ میں کوئی کمی نہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی (ت۔۸۵۲) انہی دو بزرگوں سے ان کے حفظ و ضبط کے بارے میں نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شیخ ابن الابار' شیخ ابن دحیہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

کان بصیراً با لحدیث معتنیاً بتقییدہ مکباً علیہ معروفاً بالضبط	یہ حدیث میں ماہر' ان کی قیودات سے آگاہ (یعنی حدیث میں وسیع المطالعہ) اور ضبط میں مشہور ہیں۔

اور شیخ ابن الزبیر نے لکھا۔

کان معتنیاً با لعلم مشارکاً فی فنونہ ذاکراً للتاریخ والاسانید والرجال والجرح والتعدیل سنیاً مجانبا لاھل البدع سریاً نبیلاً (لسان المنیر ان۔۴'۲۹۷)	یہ علم کا اہتمام کرنے والے' متعدد فنون کے جامع' تاریخ' اسانید رجال حدیث اور فن جرح و تعدیل کے حافظ کٹر اہل سنت' اہل بدعت سے بھاگنے والے' صاحب حکمت اور بڑے عالم تھے۔

شیخ ابوعمرو عثمان اور عارضہ

محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان میں خاندانی عارضہ ہے کیونکہ ان کے بھائی شیخ حافظ ابوعمرو عثمان کو بھی یہی تکلیف و عارضہ تھا مگر ان کے بارے میں سبھی نے یہی لکھا ہے کہ ان کا حافظ و ضبط بھی کامل تھا۔

شیخ ابوجعفر بن زبیر نے ان کے حالات میں لکھا۔

انہ معروف بالعدالة والمعرفة (صلة الصلة ۔ ۸۲۴) یہ عدالت و معرفت حدیث میں مشہور تھے۔

بلکہ ان کے بھائی کو ان سے احفظ بھی قرار دیا گیا ہے۔

اس عارضہ کی وجہ سے جب ان کے بھائی پر کوئی اعتراض نہیں تو ان پر اعتراض کیوں؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے محفل میلاد پر کتاب لکھی ہے۔

بعض کا رد

بعض اہل علم نے اس عارضہ کو اختلاط قرار دیا مثلاً شیخ برہان الدین سبط بن العجمی نے الاغتباط میں لکھا۔

انما عزل الکامل عن تدریس الکاملیة بالقاهرة لافة حصل له تغییر و مبادی اختلاط (الاغتباط بمن رمی بالاختلاط ۔ ۶۲۸) سلطان کامل نے اس افت کی وجہ سے الکاملیہ سے معزول کیا جس کی وجہ سے ان میں تغیر اور اختلاط آ گیا تھا۔

لیکن یہ ان کی اپنی رائے و اصطلاح ہو سکتی ہے مگر جمہور محدثین کی رائے میں ایسے مرض کو اختلاط نہیں کہا جاتا کیونکہ جمہور کے ہاں اختلاط یہ ہے کہ راوی کو بڑی عمر میں، عمر کے آخری حصہ میں یا ابتداً عمر میں عارضہ لاحق ہو اور وہ اس میں ہمیشہ اور دائمی ہو جیسا کہ عبداللہ بن لھیعہ کے بارے میں ہے کہ ان کی کتب ابتداعمر میں جل گئیں تو انہیں اختلاط ہوا اور ساری عمر رہا۔

رہے حافظ ابوالخطاب تو انہیں کچھ دیر کے لئے تکلیف لاحق ہوتی جب اس سے افاقہ ہو جاتا تو ان کی ذہنی کیفیت اور یادداشت کامل، قوی طور پر اس قدر لوٹ آتی کہ اس پر نسیان کا اثر تک نہ ہوتا۔

حضرت ملا علی قاری الفاظِ حدیث وھمزہ الموتة کے تحت امام طیبی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

نوع من الجنون والصرع یعتری الانسان فاذا افاق عاد علیه کمال عقله کالنائم والسکران (مرقاة۔۲:۵۴۱)

یہ جنون اور مرگی کی قسم ہے جو انسان کو عارض ہو جاتی ہے لیکن جب افاقہ ہوتا ہے تو کمال عقل پہلے کی طرح لوٹ آتا ہے جیسا کہ سونے والے اور نشہ والے کا معاملہ ہے۔

لہٰذا انہیں راوی مختلط قرار دینا ہرگز مناسب نہیں۔

شیخ ابراہیم صدیق غماری نے ''افتة الذهنیة'' کے تحت اس پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے کہتے ہیں، بعض نے یہاں تک لکھ دیا کہ ان میں اختلاط تھا اور اس کی وجہ سے سلطان کامل نے انہیں مدرسہ کاملیہ سے معزول کیا۔

ولکن الذی یظهر ان الذی سبب عزله لیس مبادی الاختلاط بل استمرار النوبة عنده وعدم افاقته کما یبدو

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی معزولیت کا سبب اختلاط نہیں بلکہ بیماری کا دائمی اور اس سے افاقہ نہ ہونا ہے اور یہ معروف معنی میں

ان ذلك ليس اختلاطاً اختلاط نہیں۔
بالمعنی المعروف

اس کے بعد اختلاط کی تعریف اور مثال دینے کے بعد کہا۔

اما ابو الخطاب فان الافة الذهنية كانت تعتريه فی فترة من الزمان ثم يفيق منها فلا يبقى له اثر و يعود اليه صفاء ذهنه و حافظته القوية
(حقیقۃ الحضر ۔ ۱۵۷)

رہا معاملہ شیخ ابوالخطاب کا تو کبھی کبھی افت ذھنیہ عارض ہو جایا کرتی جب اس سے افاقہ ہو جاتا اور اس کا اثر باقی نہ رہ جاتا تو ان کا کمال ذہنی اور قوی حافظہ کامل طور پر لوٹ آیا کرتا۔

معزولیت کی دوسری وجہ

بعض مخالفین نے ان کی معزولیت کی وجہ ان کی عدم ثقاہت لکھی ہے کہ سلطان کامل کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ یہ روایت حدیث میں ثقہ نہیں تو انہوں نے مسند شہاب پر تعلیق و تخریج کا کہا انہوں نے اس پر لکھتے ہوئے اس کی بعض احادیث و اسانید پر تنقید کی' سلطان کامل نے پڑھا اور کچھ دنوں کے بعد کہا' اس کا نسخہ گم ہوگیا ہے آپ دوبارہ لکھیں' دوبارہ لکھا تو یہ پہلے کے مخالف و متضاد تھا۔ سلطان نے یقین کر لیا کہ یہ ثقہ نہیں۔

وعزله من دار الحديث وولی اخاه ابا عمر و عثمان

تو انہیں دارالحدیث سے معزول کر کے ان کے بھائی شیخ ابوعمر و عثمان

(مقدمہ المطرب: صہ ۵) کو مقرر کر دیا۔

یاد رہے شیخ ابوعمرو عثمان ان سے ایک ہی سال بعد فوت ہوئے ان کے بعد سلطان نے شیخ ابن دحیہ کے صاحبزادے شیخ شرف الدین بن ابوالخطاب کو شیخ الحدیث مقرر کیا تھا۔

جواب: اس واقعہ کا ذکر صرف شیخ ابن واصل حموی نے کیا اور وہ بھی ان الفاظ سے ہے۔

كان مجد الدين ابو الخطاب عمر بن دحيه مع فرط معرفته بالحديث وحفظه الكثير له يتهم بالمجازفة فى النقل وبلغ ذلك الكامل على مابلغنى فامره ان يعلق شئ على كتاب

(مفرج الكروب فى اخبار بنی ایوب: ۵۔۱۶۷)

شیخ مجد الدین ابوالخطاب بن دحیہ حدیث کی خوب معرفت اور اس میں کثرت حفظ کے باوجود ان میں نقل میں احتیاط نہیں تھی یہ بات سلطان کامل کو معلوم ہوئی تھی تو انہوں نے شہاب پہ حاشیہ لکھنے کو کہا۔

۲۔ پھر اس وجہ کو کوئی بھی صاحب فہم و شعور تسلیم نہیں کرے گا، اس قدر طویل عرصہ سلطان کامل نے ان سے پڑھا اور پھر وہی الکاملیہ کے اولین شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور ایک دنیا نے ان سے حدیث حاصل کی حتیٰ کہ امام ابن الصلاح جیسے محدثین ان کے تلامذہ میں شامل ہیں تو اس سارے دور میں سلطان کو ان کی

ثقاہت وضعف کا علم بھی نہ ہو سکا یہی بات اہل علم نے ان مخالفین کے جواب میں کہی ہے۔ مثلاً استاذ ابراہیم ابیاری لکھتے ہیں۔

لقد کان طول المصاحبة کفیلاً بان یتعرف الکامل هذا المطعن فی استاذه والالسنة من حوله ماتقرفی افواها تجریحا للشیخ بهذا وغیره

بادشاہ کی شیخ کے ساتھ اس قدر طویل صحبت اس بات کی ضامن ہے کہ سلطان کامل اپنے استاذ کے بارے میں معاصرین کے ان طعن اور اعتراضات سے خوب واقف تھے جو شیخ کو مجروح کر رہے تھے۔

پھر ان مخالفین کی زبانیں مدت بیان کرنے سے بند ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ وصال سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ایسا ہوا۔

ولم نعرف ابا عمرو انتفع بها کثیر فقدمات بعد اخیه بعام الی سنة ۶۳۴ھ ثم الت بعد فترة الی شرف الدین بن ابی الخطاب

ہمارے علم میں نہیں کہ شیخ ابوعمرو سے کثیر لوگوں نے استفادہ کیا ہو کیونکہ ان کا وصال اپنے بھائی کے ایک سال بعد ۶۳۴ھ میں ہوا اور اس کے بعد شیخ ابوالخطاب بن دحیہ کے صاحبزادے شیخ شرف الدین کو شیخ الحدیث بنا دیا گیا۔

اس کے بعد لکھا۔

كل ذلك في حياة الكامل ولوان ابا الخطاب صرف عنها مجرحاً مطعوناً ما التفت الكامل لاخيه اولابنه يمنحهما رياستها وما نظهما بلغا مبلغه سماعا ودراية (مقدمۃ المطرب۔ صہ۵)

یہ تمام سلطان کامل کی زندگی میں ہوا اگر شیخ ابوالخطاب کو واقعۃ مطعون و مجروح ہونے کی وجہ سے اس عہدہ سے معزول کیا ہوتا تو سلطان کامل کبھی بھی ان کے بھائی شیخ ابوعمرو اور ان کے بیٹے شیخ شرف الدین کو اس منصب پر فائز نہ کرتے اور حدیث کی روایت ودرابت کے لئے اس مقام پر فائز نہ کرتے۔

۳۔ اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

علی مابلغنی

مجھ تک یہ بات پہنچی ہے۔

یعنی ان کی بات میں بھی اتصال نہیں بلکہ انقطاع ہے۔

قد انفرد ابن واصل بنقل قصة تاليف الكتاب وما وقع لابن دحية مع الملك الكامل من اختبار وتمحيص حيث طلب منه تاليفه مرة اخرى بعد ان ادعى ضياعه وهنا يقع التناقض بين التاليفين

یہ واقعہ صرف شیخ ابن واصل نے نقل کیا ہے کہ سلطان کامل نے شیخ ابن دحیہ کو آزمانے اور ان کے امتحان کے لئے دوبارہ کتاب لکھنے کا کہا اور یہ عذر پیش کیا کہ پہلا مسودہ ان سے گم ہوگیا تو اب ان کی تصانیف میں تناقض سامنے

آیا۔

اس کے بعد شیخ موصوف کی مذکورہ عبارت مفرج الکروب سے نقل کی اور کہا۔

جملة علی مابلغنی...... وھی من الاھمیة بمکان حیث تفید ان ابن واصل وقعت له القضیة بلاغاً وھذا یعنی انقطاعھا وعدم اتصالھا

(مقدمة الایات:۱۱۰)

ان کا جملہ علی مابلغنی (مجھ تک یہ بات پہنچی ہے) نہایت ہی اہم ہے کیونکہ یہ بتا رہا ہے کہ ابن واصل تک یہ واقعہ بطور بلاغ آیا ہے یعنی اس میں انقطاع اور عدم اتصال ہے۔

چونکہ امام شمس الدین ذہبی (ت۔۷۴۸) نے بھی اپنی کتب میں شیخ ابن واصل حموی سے یہ واقعہ نقل کیا تھا مگر علی مابلغنی کا جملہ ان سے رہ گیا اور ان سے بھی] جنہوں نے امام ذہبی پر اعتماد کیا اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شیخ جمال نے لکھا۔

جملة علی مابلغنی لم ترد عند الذھبی فی کتبه الثلاثة السیر وتاریخ الاسلام والمیزان ولا عند من نقل عنه کالصفدی وابن عبدالھادی والدلجی وابن حجر اعتمادا منھم علی نقل الذھبی رغم

ابن واصل کا یہ جملہ علی مابلغنی امام ذہبی کے تین کتب سیر، تاریخ الاسلام اور میزان میں نہیں آیا اور نہ ان کی کتب میں موجود جنہوں نے امام ذہبی پر اعتماد کرتے ہوئے واقعہ نقل مثلاً صفدی، ابن عبد الہادی، دلجی اور ابن حجر حالانکہ

وجودها فی الاصل الذی نقل عنه الذهبی وهو مفرج الکروب وهی من الاهمیة بمکان

جس اصل سے ذہبی نے نقل کیا ہے وہاں یہ جملہ موجود ہے اور وہ اصل مفرج الکروب ہے اور یہ جملہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

(مقدمہ الایات:۱۱۰)

دوسرے مقام پر یہ بھی لکھا بلکہ یہ الفاظ بتا رہے ہیں، یہ واقعہ جھوٹ اور باطل ہے۔ سنئے۔

ان الذهبی سقطت عنه کلمة بلغنی کما فی المصدر الاول وهو مفرج الکروب فبطلت القصة من اصلها

شیخ ذہبی سے لفظ بلغنی رہ گیا ہے حالانکہ مصدر اول مفرج الکروب میں یہ موجود ہے تو اب یہ واقعہ اصلاً ہی باطل جھوٹ ٹھہرا۔

(مقدمہ:۴۴)

واقعہ کے باطل ہونے کی تائید

اس واقعہ کے جھوٹ اور باطل ہونے پر اہل علم نے یہ تائید بھی ذکر کی ہے چونکہ یہ واقعہ صرف اور صرف شیخ ابن واصل حموی سے ہی منقول ہے اور وہ مصر ۶۹۰ ہجری میں آئے جبکہ امام ابن وحیہ کلبی کا وصال ۶۳۳ کو ہوا گویا ان کی مصر آمد ان کے وصال کے ستاون سال بعد ہے۔ شیخ جمال لکھتے ہیں۔

ثم ان ابن واصل دخل مصر

شیخ ابن واصل مصر میں ۶۹۰ میں

سنة ٦٩٠ فيما ذكر الصفدي في نكت الهميان ص ٢٥٢ اى بعد وفاة ابن دحيه بسبع وخمسين عاماً ممايقوى الشك في صحة القصة
(مقدمه الايات: ١١٠)

آتے ہیں جس طرح شیخ صفدی نے نکت الھمیان صہ ۲۵۲ پر لکھا یعنی ان کی آمد شیخ ابن دحیہ کے وصال کے ستاون سال بعد ہے یہ اس واقعہ کی صحت میں شک کو قوی اور طاقتور بنا رہا ہے۔

ایک اور قابل غور بات

شیخ ابن واصل حموی نے لکھا' جب بادشاہ نے کہا مسودہ گم ہوگیا ہے لہٰذا دوبارہ لکھو۔

ولم يكن عنده مسودة الكتاب الاول فجاء في الكتاب الثاني مناقضة لما ذكر في الكتاب الاول
(مفرج الكروب: ٥-١٦٧)

تو شیخ کے پاس کتاب اول کا مسودہ نہ تھا تو انہوں نے دوسری کتاب لکھی جس میں اول کتاب سے تناقضات و تضادات تھے۔

اس پر اہل علم نے کہا کہ ممکن نہیں کہ شیخ ابن دحیہ کلبی نے پہلا مسودہ دیکھے بغیر دوسرا لکھ دیا ہو پھر اگر سلطان نے کہا کہ مجھ سے مسودہ گم ہوگیا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم ہے کہ شیخ کے پاس اس مسودہ میں سے کچھ بھی نہ ہو۔ انہوں نے بھی سلطان کو صاف لکھوا کر کاپی دی ہوگی اصل تو ان کے یا صاف کرنے والے کے پاس ہوگا۔ شیخ جمال نے

مذکورہ عبارت پر یہی بات لکھی ہے۔

یستبعد ان یعید ابن دحیة تالیف نفس الکتاب دون النظر الی مسودة الاولی والملك الکامل. فیما تذکر القصة. ادعی فقدان المبضة بعد ایام قلیلة من تالیفه فان لم یکن عند ابن دحیه مسودة الکتاب فلا اقل ان یتریث قلیلاً حتی یجدها ان ضاعت فی مکتبة او یرتجعها ان کان اعارها لمن بیضاله

یہ بات بعید ہے کہ شیخ ابن دحیہ نے اول کتاب کا مسودہ دیکھے بغیر دوسری کتاب لکھ دی ہو سلطان کامل جیسے واقعہ بیان ہوا نے کتاب کی تالیف کے چند دن بعد کہا کہ کتاب کا مسودہ گم ہوگیا ہے تو اگر شیخ ابن دحیہ کے پاس پورا مسودہ نہ ہوتا کم از کم اس کا کچھ حصہ تو ان کے پاس ضرور ہوگا تاکہ اس کی گمشدگی کے وقت ان کے پاس ہو۔

(مقدمہ الایات۔۱۱۰)

تو تمام شہادتوں سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ باطل ومن گھڑت اور جھوٹ ہے۔

۳۔ اعتراض ثالث۔ غیر تحقیقی باتیں

تیسرا اعتراض ان پر یہ کیا جاتا ہے کہ ایسی باتیں کہہ جاتے جو تحقیق نہ ہوتیں، امام شمس الدین ذہبی نے شیخ ابوبکر محمد بن عبدالغنی بن نقطہ حنبلی (۵۷۹، ۶۲۹) سے نقل کیا۔

کان موصوفاً بالمعرفة والفضل ولم اره الا انه کان یدعیٰ اشیاء لاحقیقة لها	یہ معرفت و فضل کے مالک ہیں میں نے ان سے کچھ نہ دیکھا البتہ وہ کچھ ایسے دعوے کرتے جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس کے بعد شیخ ابن واصل حموی سے نقل کرتے ہیں۔

کان ابن دحیة مع فرط معرفته بالحدیث وحفظه الکثیر له متهماً بالمجازفة فی النقل	شیخ ابن دحیہ پر علم حدیث میں کامل وخوب معرفت اور کثیر الحفظ ہونے کے ساتھ نقل میں غیر تحقیقی باتوں کا اتہام ہے۔

(سیر اعلام۔۱۶، ۳۱۲، ۳۱۳)

جواب

۱۔ ان دونوں حضرات نے امام ابن دحیہ کا صاحب علم وفضل اور حدیث کا عظیم ماہر اور حافظ و ثقہ ہونا تسلیم کیا ہے۔

۲۔ پیچھے مسلمہ اہل علم سے گزرا کہ یہ نہایت ہی ثقہ عالم ہیں اور ثقہ سے ایسی اشیاء کا صدور کہاں؟

۳۔ یہ محض دعویٰ ہی ہے اس پر کوئی آج تک دلیل اور مثال پیش نہیں کی جاسکی۔

۴۔ اس سے اعتراض کرنے والوں کی مراد یہ نہیں کہ نعوذ باللہ وہ نقل شریعت وحدیث میں لاپرواہی کرتے تھے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں غیر حقیقی رویہ اپنائے ہوئے تھے مثلاً شیخ ابن

الدبیثی (۵۵۸۔۶۳۷) نے ان سے نقل کیا کہ وہ فرمایا کرتے۔

انہ حفظ صحیح مسلم — وہ تمام صحیح مسلم کے حافظ ہیں اور
جمیعہ و قرأہ علی بعض — انہوں نے بعض مشائخ مغرب کو
شیوخ المغرب من حفظہ — اسے زبانی سنایا ہے۔

چونکہ ابن الدبیثی نے ان کا یہ قول بعید محسوس کیا تو لکھا۔

ان ابن دحیة کان یدعی اشیاء — ابن دحیہ بہت سے ایسے دعوے کیا
کثیرۃ — کرتے۔

(المختصر المحتاج الیہ۔۳،۹۹)

یعنی وہ کچھ ایسے دعویٰ کرتے ہیں جن کی بنیاد نہیں مگر ہیں ثقہ یہی وجہ ہے کہ خود ابن دبیثی نے ان سے حدیث پڑھی۔

شیخ جمال عزون نے شیخ ابن دبیثی کی اس بات پہ گرفت کرتے ہوئے لکھا کہ انہوں نے کہا تو یہ ہے کہ بہت زیادہ ایسے دعویٰ کرتے ہیں۔

لکنہ لم یفصح سوی قضیة — مگر حفظ صحیح مسلم کے علاوہ کچھ
حفظہ لصحیح مسلم — بیان نہ کر سکے۔

پھر موصوف نے خود ہی لکھا میں نے ان سے پڑھا ہے۔

انہ اخبر قبل ذلك بکونہ علق — انہوں نے خود ہی اطلاع دی ہے
شیاء عن ابن دحیة وھو ما — کہ انہوں نے ابن دحیہ سے پڑھا
فعل ذلك الالانہ اھل ان یعلق — ہے اور یہ اس صورت میں ممکن
عنہ — جبکہ وہ استاذ حدیث بنے

کے اہل و ثقہ ہوں۔ (مقدمہ آلایات البنیات۔۱۵)

الغرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں کچھ ایسے دعاوی کیا کرتے جنہیں اہل علم نے پسند نہ کیا۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ غیر ثقہ آدمی ہیں۔

۵۔ شیخ ابن دحیہ کی متعدد کتب طبع ہو چکی ہیں جو واضح طور پر اس الزام کی تردید کرتی ہیں۔ شیخ جمال عزون نے کیا ہی خوب بات کہی۔

ان ابن دحیة معروف بتشدده فی روایة الحدیث الضعیفة والموضوعة وکان ینأی بالائمة علی کبار العلماء کابن عبدالبر وابن العربی والسلفی احادیث رووها لم تصح اولم یبینوا درجتها (مقدمہ الایات البنیات۔۲۴)

شیخ ابن دحیہ ضعیف اور موضوع احادیث کی روایت کے حوالہ سے نہایت ہی متشدد ہیں اور وہ کبار علماء مثلاً امام ابن عبدالبر ابن العربی اور سلفی پر ایسی احادیث نقل کرنے پر برستے ہیں جو صحیح نہیں یا ان کا درجہ انہوں نے بیان نہیں کیا۔

پھر لکھا۔

وکتبه خیر شاهد علی مانقول (مقدمہ الایات البنیات۔۲۴)

ہماری بات پر سب سے بہتر دلیل اور شاہد ان کی کتب ہیں۔

امام شمس الدین ذہبی کی تنقید کے جواب میں کہتے ہیں شیخ ابن دحیہ پر یہ اعتراض کہ وہ غیر تحقیقی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ درست نہیں۔

فهذه كتبه امامنا تشهد بخلاف ذلك فما من كلمة ينقلها عن مؤلف او جملة يسطرها عن عالم الاو نراها كذلك فى المصادر المنقول عنها بلا زيادة او نقصان

ان کی کتب ہمارے سامنے ہیں جو مذکور الزام کے خلاف گواہ ہیں کیونکہ انہوں نے کسی مؤلف سے جو کوئی لفظ نقل کیا یا کسی عالم سے جملہ لکھا وہ ان میں کمی و بیشی کے بغیر اسی طرح مصادر منقولہ میں موجود ہے۔

انہیں ذہبی کا روایت میں ضعیف قرار دینا بھی درست نہیں۔

فالرجل يروى باسانيده الى كتب معروفة مشهورة واى حديث ينقله ويرويه باسناده فهو مثبت فى الصحاح او السنن او المسانيد او المعاجم او غير ذلك وهى كتب اغنت شهرتها عن الاسانيد اليها لانها ثبتت بالوجادة ثبوتاً صحيحاً لا شك فيه ولا مرية

یہ تو ایسے عالم ہیں کہ انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ کتب مشہورہ تک کو روایت کیا جو حدیث نقل کی اور اسے اپنی سند سے روایت کیا وہ صحاح، سنن، مسانید اور معاجم میں محفوظ و موجود ہے اور یہ کتب اس قدر معروف ہیں کہ تحقیق سند کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کا ثبوت بطور وجادۃ یقیناً درست اور صحیح ہے۔

(مقدمۃ الایات: ۴۴)

آگے چل کر حافظ ابن حجر عسقلانی کی گفتگو پر یہ بھی لکھا کہ یہ

ان مخالفین کے اقوال سے متاثر نظر آتے ہیں، انہوں نے ان کے حفظ وعلم کو تسلیم کیا ہے۔

ولعل الحافظ رعی جانب الروایة وضعف ابن دحیة فیه رغم ان ابن دحیة یروی باسانیده الی کتب تناقلها العلماء و جادة فاغنت شهرتها عن البحث فی تلک الاسانید

(ایضاً۔۵۱)

حافظ ابن حجر نے جانب روایت کی رعایت کرتے ہوئے ابن دحیہ کو ضعیف کہا حالانکہ ابن دحیہ نے اپنی اسانید کے ساتھ ایسی کتب نقل کیں جنہیں اہل علم نے بطور وُجادۃ نقل کی اور وہ اس قدر مشہور ہیں کہ ان کی اسانید پر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔

۶۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جب انہیں آفت ذہنی عارض ہوتی تو اس وقت ان سے ایسی چیزوں کا صدور ہوتا کیونکہ ایسے موقعہ پر وہ یادداشت کھو بیٹھتے تھے لیکن معمول کی زندگی میں ایسا ہرگز نہ تھا۔ ڈاکٹر ابراہیم بن صدیق غماری نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ذکر کیا۔

وعند ما تعتریه نوبة الذهول وفقد الزاکرة نجد مانقل الذهبی فی میزان الاعتدال (۳۔۱۸۸) عن ابن نقطة حیث قال و کان ابو الخطاب موصوفاً بالمعرفة

جب ہم انہیں عارضہ ذہول اور یادداشت کا زائل ہونا پاتے ہیں تو پھر ان سے ان اشیاء کا صدور پاتے ہیں جنہیں ذہبی نے ابن نقطہ سے یوں نقل کیا ہے۔

والفضل الا انه يدعى اشياء لا حقيقة لها

کہ ابوالخطاب معرفت و فضل کے مالک تھے البتہ ان سے کچھ ایسی چیزوں کا دعویٰ ہے جن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

آگے چل کر لکھا۔

ومع الذهول الذی کان یعتریه والتغیر فی الخلق الذی وصف به علماء الاندلس وجد له الا عداء الخصوم

اسی ذھول کے عارض ہونے اور سخت طبیعت کی (جسے علماء اندلس نے بیان کیا) کی وجہ سے دشمنوں اور مخالفین نے ایسی اشیاء ایجاد کر لیں۔

(حقیقۃ الحضر ۔۱۵۹)

یعنی اگر حالت بیماری میں کچھ ایسا ہوا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم ہے کہ معمول کی زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔

۴۔اعتراض رابع ۔ کذب وضعف پر اجماع

بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا کہ ان کے کذب وضعف پر اجماع ہے۔

حافظ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن النجار (۵۲۸۔۶۴۳) نے لکھا۔

رأیت الناس مجتمعین علی

میں نے لوگوں کو ابن دحیہ کے

کذبہ وضعفہ وادعائہ سماع مالم یسمعہ ولقاء من لم یلقہ (تاریخ لابن النجار)

کذب وضعف پر متفق دیکھا کہ وہ ایسے سماع کا دعویٰ کرتے ہیں جو نہیں کیا اور اس سے ملاقات کا دعویٰ جس سے نہیں ہوئی۔

جواب:

۱۔ پیچھے تمام اہل علم کی تصریحات آچکی ہیں کہ یہ نہایت ہی ثقہ محدث ہیں۔

۲ بلکہ انہیں تمام اہل علم نے معتمد ناقلین سنن و مسانید میں شامل کیا۔

امام حافظ تقی الدین فاسی انہیں راویانِ اصول سنن و مسانید میں شامل کرتے ہیں۔

ذکر روایتہ للمؤطا ولصحیح مسلم والمعجم الکبیر للطبرانی (ذیل التقیید فی رواۃ السنن والمسانید۲۔۲۲۶)

انہوں نے موطا و صحیح مسلم اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر روایت کی ہے۔

ان تمام کے مقابل ابن نجار کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟

۳۔ پھر ان کی صحبت میں طویل عرصہ رہنے اور ان سے حدیث پڑھنے والے محدثین انہیں نہایت ہی ثقہ قرار دیتے ہیں۔

شیخ ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن زبیر غرناطی (۶۲۸۔۷۰۸) لکھتے ہیں۔

شیخ ابن دحیہ علم سے مزین متعدد فنون میں ماہر، شیوخ سے استفادہ کرنے والے، تاریخ واسانید، رجال حدیث اور جرح و تعدیل کے امام۔

سنیاً مجانباً لاهل البدع سرياً فاضلاً عرفنی بحالہ وحال اخیہ ابی عمر و عثمان الشیخان ابو الحسن الغافقی وابو الخطاب ابن خلیل وکانا وقد صحباهما طویلاً وخبراهما جملةً وتفصیلاً الا انما ذكراهما بانحراف فی الخلق وتقلب لم یشنها غیرہ ووصفهما مع ذلك بالثقة و العدالة والسدادة والاعتناء التام

(صلۃ الصلہ، قسم رابع ۷۸)

کٹر سنی، اہل بدعت کے مخالف، فاضل مجھے ان کے اور ان کے بھائی شیخ ابو عمر و عثمان کے بارے میں دو شیوخ شیخ ابوالحسن الغافقی اور شیخ ابوالخطاب بن خلیل نے بتایا اور وہ ان دونوں کے پاس طویل مدت پڑھتے رہے۔ انہوں نے ان دونوں کے بارے میں خوب تفصیلاً بتاتے ہوئے نشاندہی کی ان کی طبع اور اخلاق میں سختی تھی اس کے علاوہ ان کا کوئی عیب بیان نہیں کیا انہوں نے ان کا ثقہ عادل، کامل اور علم و تحقیق کا اہتمام کرنے والا قرار دیا۔

۴۔ امام ابن صلاح کا سماع حدیث

پھر اس سے بڑھ کر ان کی ثقامت وحفظ پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شیخ المحدثین امام ابوعمرو بن صلاح نے ان سے مؤطا کا درس لیا اگر یہ واقعۃ کاذب تھے تو ان سے کم از کم یہ امام حدیث نہ لیتے۔ امام ذہبی اپنے شیخ حافظ علم الدین القاسم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

انه قرأ بخط ابن الصلاح سمعت المؤطا على الحافظ ابن دحية وحدثنا به باسانيد كثيرة	میں نے شیخ ابن صلاح کی یہ تحریر پڑھی میں نے موطا حافظ بن دحیہ سے پڑھا اور انہوں نے ہمیں خوب کثیر اسناد سے بیان کیا۔

(سیر اعلام: ۱۶_۳۱۳)

شیخ ابراہیم صدیق غماری اسی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

ويكفى فى هذا الصدد ان الامام عمرو بن الصلاح سمع منه مؤطا مالك بعلو	اس سلسلہ میں یہی کافی ہے کہ امام ابن صلاح نے ان سے مؤطا امام مالک سند اعلیٰ سے پڑھا۔

(حقیقۃ الخضر: ۱۵۶)

۵۔ پیچھے گزرا جب سلطان کامل نے مصر میں دارالحدیث کاملیہ قائم کیا تو اس کے اولین سربراہ یہی عالم بنے اور ان کی سربراہی کا فیصلہ اس وقت کے تمام محدثین نے مل کر کیا' شیخ ابوالعباس احمد بن عبداللہ الغبرینی (ت۔۷۱۴) کے ان الفاظ پر نظر ڈال لیجئے۔

لکھتے ہیں اس دور کے محدثین جمع ہوئے۔

واقر وافیه بالتقدم واعترفوا له من اولی الحفظ والاتقان والتفهم (عنوان الدرایہ۔۲۷۲)

اور اس اجتماع میں ان کی علمی فوقیت کا اقرار کیا، اور یہ اعتراف کیا کہ یہ تمام سے صاحب حفظ، صاحب ثقاہت وتفہم ہیں۔

متفقہ کذاب کو دارالحدیث کا متفقہ سربراہ بنانا عقل سے ماورا ہے۔

٦۔ اصحاب اجماع کون ہیں؟

شیخ جمال عزون نے شیخ ابن النجار کے اس طعن کی خوب خبر لیتے ہوئے لکھا انہوں نے شیخ ابن دحیہ کلبی کے کذب وضعف اور ان لوگوں سے ملاقات وسماع کے دعوی جن سے ملاقات وسماع نہیں پر اجماع کی بات کی ہے مگر

دون ان یحدد لنا ابن النجار اصحاب هذا الاجماع المدعی حتی ینظر هل اجماعهم حجة فی وصم الرجل بالکذب والضعف وادعاء اللقاء والسماع ممن لم یلقهم اویسمع منهم

ابن نجار نے ان صاحبان اجماع کا نام و تعارف نہیں کروایا تا کہ غور وفکر کر لیا جاتا کہ ان کا کسی آدمی کے کذب، ضعف اور دعویٰ سماع و لقا کے بارے میں اجماع حجت ہے یا نہیں؟

پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ خود ابن نجار نے مصنف کے بارے میں یہ کلمات لکھتے ہیں۔

کان حافظاً ماھراً عمالماً بقیود الحدیث — یہ حافظ و ماہر حدیث اور قیود احادیث کے عالم تھے۔

اور یہ الفاظ شہادت دے رہے ہیں کہ یہ روایت حدیث میں حفظ و ضبط اور اس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

یہ تنقید معاصر ہے

پھر آگے لکھتے ہیں۔

وعلی کل حال یبقی ھذا رأی ابن النجار فی ابن دحیة وھو کلام قرین فی قرینه شهدله بالعلم والحفظ من ناحیة واتهمه فی الخلق من ناحیة بل جاوز ذلك الی اتهامه بالکذب

بہر حال ابن دحیہ کے بارے میں ابن نجار کی یہ رائے ایک معاصر و ساتھی کی رائے ہے جس میں ایک جانب ان کو صاحب علم و حفظ مانا دوسری جانب انہیں بدخلق جبکہ تجاوز کرتے ہوئے کاذب کہہ دیا ہے۔

(مقدمۃ الایات البینات۔۱۸)

محضر سنھوری

اور

جرح ونقد
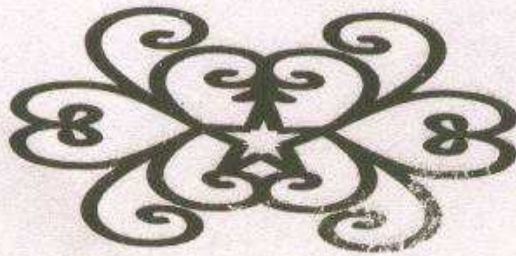
شیخ ابن نجار نے اپنے موقف پر دو دلائل ذکر کیے ہیں۔

۱۔ محضر سنہوری

۲۔ واقعہ حافظ ابوالحسن مقدسی مالکی (۵۴۴۔۶۱۱)

محضر سنہوری کی تفصیل

شیخ سنہوری، امام ابن دحیہ کے معاصر ہیں، ان کا نام ابواسحاق ابراہیم بن خلف بن منصور الغسانی السنہوری (۵۷۳۔۶۲۰) ہے۔ سنہور مصر میں علاقہ ہے، اس محضر نامہ کی تفصیل شیخ ابن نجار نے یوں نقل کی ہے۔

کان صدیقنا ابراهیم السنهوری المحدث صاحب الرحلة الی البلاد قد دخل بلاد الاندلس و ذکر لمشائخها و علمأ ها ان ابن

ہمارے دوست شیخ ابراہیم سنہوری محدث، متعدد شہروں کے سیاح، بلاد اندلس گئے اور وہاں کے مشائخ اور علماء سے کہا۔ ابن دحیہ کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے قدماء

دحية علی انه قرأ علی جماعة من الشيوخ القدماء، فانكروا ذلك وابطلوا، وقالوا لم يلق هؤلاء ولا ادركهم وانما اشتغل بالطلب اخيراً وليس نسبه صحيح ودحية لم يعقب فكتب السنهوری محضراً واخذ خطوطهم فيه بذلك وقدم بديار مصر وعلم ابن دحية بذلك فاشتكیٰ الی السلطان منه و قال هذا يأخذ عرضی ويؤذينی فامر السلطان بالقبض عليه وضرب واشتهر علی حمار و اخرج من ديار مصر واخذ ابن دحية المحضر فاخرقه

(المستفاد لابن دمیاطی ۔ ۲۱، ۱۵۵)

شیوخ سے پڑھا ہے ان مشائخ نے انکار کیا اور اس دعوئی کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا۔ ابن دحیہ کی ان مشائخ سے نہ ملاقات ہوئی اور نہ وہ ان کے معاصر ہیں یہ تو آخری عمر میں طلب حدیث کرنے والے ہیں، ان کا نسب صحیح نہیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں تھی، سنھوری نے ایک محضر نامہ لکھا جس میں ان سے دستخط لیے اسے لے کر مصر آئے۔ ابن دحیہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سلطان سے اس کی شکایت کی، کہ یہ میری عزت پر حملہ اور مجھے اذیت دے رہا ہے، سلطان نے اسے گرفتار کر لیا، سزا دی اور گدھے پر سوار کر کے پھرایا اور مصر سے نکال دیا۔ ابن دحیہ نے وہ محضر نامہ حاصل کر کے پھاڑ ڈالا۔

اس محضر نامہ میں یہ اعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔

۱۔ ان کا نسب درست نہیں کیونکہ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہی نہ تھی۔

۲۔ قدماء مشائخ سے ملاقات کا دعویٰ کذب ہے ان سے ان کی ملاقات و تعلیم ثابت نہیں۔

۳۔ انہوں نے بڑی عمر میں علم حاصل کیا نہ کہ ابتدائی عمر میں۔

یہ صاحب کون ہیں؟

ان کا جواب سامنے لانے سے پہلے شیخ ابراہیم سنہوری کے بارے میں جاننا نہایت ہی ضروری ہے تا کہ معاملہ خوب اشکار ہو جائے کیونکہ انہی کا محضر نامہ شیخ ابن دحیہ کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کا ذریعہ ہے جن اہل علم نے بغیر تحقیق اسی پر اکتفا کیا وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے آیئے ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ دجال مغرب

امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی (ت۔۷۴۸) ان کا تعارف یوں کرواتے ہیں ابراہیم بن خلف بن منصور غسانی سنہوری انہوں نے خشوعی اور ابن سکینہ سے پڑھا۔

دجال فی المغرب اتھمہ ابو الحسن ابن القطان بالمجازفة والکذب

یہ مغرب میں دجال ہے شیخ ابوالحسن بن قطان کہتے ہیں یہ شخص نہایت ہی غیر تحقیقی اور کاذب

ہے۔ (میزان الاعتدال ۱-۳۰)

امام ذہبی کی اس تنقید کے حوالہ سے شیخ اسماعیل بن محمد انصاری کہتے ہیں انہوں نے یہ بات سنھوری کے مخالفین سے متاثر ہو کر کہہ دی ہے۔ (القول الفصل۔۹۸)

حالانکہ ذہبی سے شیخ ابن دحیہ پر جو تنقید نقل ہو چکی ہے اس کے بارے میں یہ بات کہنا زیادہ سچائی ہے مثلاً امام ذہبی نے شیخ ابن دحیہ کے بارے میں کہا کہ وہ مشرق سے دوبارہ اندلس واپس نہیں گئے لہٰذا ان کے بارے میں یہ کہنا۔

ولما عاد الی الاندلس حدث بمقامات الحریری عن ابن الجوزی عن المؤلف	جب ابن دحیہ اندلس دوبارہ آئے تو انہوں نے مقامات حریری، امام ابن جوزی کے حوالہ سے مصنف سے روایت کی۔ (میزان۔۳:۱۸۸)

سراسر غلط ہے کیونکہ

ابن دحیة لم یرجع الی الاندلس بعدان رحل الی المشرق وھذا مما لانزاع فیه	شیخ ابن دحیہ مشرق جانے کے بعد واپس اندلس نہیں آئے اور یہ ایک متفقہ بات ہے۔

حالانکہ امام ذہبی نے ان کے دوبارہ اندلس آنے پر اس کتاب میں خود تصریح کی ہے۔

لہٰذا یہاں کہا جا سکتا ہے کہ ذہبی ابن دحیہ کے مخالفین سے متاثر ہو گئے اور وہ ایسی باتیں لکھ گئے جو ان حقائق کے بھی منافی ہیں جو خود

ان کی تحریر سے ثابت ہیں۔

۲۔ روایت میں کذاب

اوپر گزرا امام ابوالحسن ابن القطان انہیں (سنھوری کو) کذاب گردانتے۔ اس کی تفصیل شیخ ابن الابار نے ان کے حالات میں یوں بیان کی ہے انہوں نے فرمایا' یہ سن ۶۰۲ھ میں تیونس آئے' انہوں نے مجھے اور میرے بیٹے حسن کو اجازت حدیث دی' کافی دیر کے بعد دوبارہ آئے۔

فظھر فی حدیثه عن نفسه تجازف واضطراب و کذب زھد فیه

ان کی احادیث میں ان کی طرف سے غیر تحقیقی باتیں' اضطراب اور کذب ہے۔ لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے۔

آگے چل کر کہتے ہیں۔

وقد تبرأت من عھدته بما اثبت من حاله (التکملة ۱۔۱۴۹)

ان کے احوال سے جو کچھ سامنے آیا ہے اس کے بعد میں ان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

اسی طرح شیخ ابن مسدی نے ان سے برأت کا اعلان کیا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) نے ان کے حوالہ سے نقل کیا۔

کانت له وکالات بالاجازة من شیوخ وکلوه علی الاذن

ان کے پاس کچھ شیوخ کی جانب سے وکالت اجازت تھی کہ وہ ان

لمن یرید الروایة عنهم فکتب لی بالا جازة عنه وعن مو کلیه فی سنة ثلاث وست مائة وانا ابرأ الی الله من عهدته

سے روایت کا ارادہ کرنے والوں کو اجازت دے سکتے ہیں انہوں نے اپنی اور اپنے موکلین کی جانب سے ۶۰۳ میں مجھے تحریری اجازت احادیث دی لیکن بندہ بارگاہ الٰہی میں ان کی ذمہ داری سے برأت کا اعلان کرتا ہے۔

شیخ ابن الابار کے حوالہ سے لکھا۔

وتبرأ ابن الابار من عهدته فی باب الروایة

ابن الابار نے روایت حدیث میں ان سے برأت کا اعلان کیا۔

(لسان المیزان: ۱۔۵۴)

۳۔ فساد ذہن

حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ ابوالقاسم بن عساکر الصغیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

کان یشتغل فی کل علم والغالب علیه فساد الذهن وکان متسامحاً فیما ینقله و برویه وکان قدومه دمشق سنة ثلاث و ست مائة فانتسب

یہ ہر علم میں مشغول ہوئے۔ مگر فساد ذہن کا ان پر غلبہ تھا۔ یہ نقل و روایت میں محقق وفقیہ نہ تھے۔ یہ دمشق ۶۰۳ھ میں آئے پہلے مازنی پھر غسانی نسبت رکھتے، ان سے

مازنیا انم انتسب غسانیا وو ردت عنه اجازات من وقف علیها عرف ماذ کرته من التخلیط ویقال ان الحامل له علی تطواف البلاد طلب حشیشة الکیمیا

ایسی اجازات ہیں کہ جو بھی ان سے آگاہ ہے وہ ہماری بیان کردہ تخلیط کا علم رکھتا ہوگا ان کے مختلف شہروں کے طواف کی وجہ کیمیا گری کے لئے بوٹی کا حصول ہے۔

(لسان المیزان۔ ۱۔۵۴)

حملہ آور اور بداخلاق

شیخ ابن المستوفی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

انه کانت فیه جرأة وسوء الاخلاق

یہ دوسرے پر حملہ آور جسارت کرنے والے اور بداخلاق تھے۔

(تاریخ اربل۔ ۱۔۲۵۶)

شیخ ابن عبدالملک کا دفاع

اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ شیخ ابن عبدالملک نے شیخ ابن القطان کی جرح رد کرتے ہوئے انہیں عادل وثقہ قرار دیا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی نے انہی سے نقل کیا۔

وقد نزهه عن کل مارماه به وعدله کل من اخذعنه ووثقوه وصححوا نقله

انہوں نے انہیں ہر اعتراض سے صاف اور ہر طعن سے عادل قرار دیا اور کہا اہل علم نے ان کی توثیق

کی اور ان کی منقولات کو صحیح قرار (لسان المیزان۔۱۵۵)
دیا ہے۔

جواب۔

ضابطہ کے مطابق یہ دفاع مقبول نہیں کیونکہ ان کی تعدیل مبہم ہے انہوں نے تعدیل والوں میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا تا کہ اسے پرکھ لیا جاتا کہ ان کا جرح و تعدیل میں کیا مقام ہے لیکن یہاں تمام کی تمام جرح مفسر ہے لہٰذا اس شخص کے بارے میں جرح ہی مقبول ہوگی۔

یہ ان کے حالات ہیں، محضر کا دعویٰ کرنے والے کے بارے میں خوب آگاہی ہوگئی ہے کہ وہ صدق کے کس درجہ پر ہیں کہ اہل علم انہیں دجال کہتے ہیں۔

آیئے!
جوابات سنیے

انہوں نے جو اعتراضات اٹھائے ہیں ان میں پہلا یہ ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے اولاد میں سے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی اولاد ہی نہ تھی۔ اس کا جواب پیچھے بڑی تفصیل سے آچکا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے قدماء مشائخ سے حدیث نہیں پڑھی اس سلسلہ میں بقول سنہوری علماء اندلس نے محضر نامہ میں اپنے دستخط کئے تھے۔

جواب

۱۔ محضر نامہ پر دستخطوں کا دعویٰ صرف شیخ سنہوری کا ہی ہے ان کے علاوہ ایسی بات کسی اور نے ہرگز نہیں کہی۔ حالانکہ اگر ایسی بات ہوتی تو درجہ شہرت پاتی اور شیخ ابن دحیہ کے حالات میں ہر جگہ موجود ہوتی اور کسی خبر کے کذب کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ اس خبر کے نقل کے دواعی اور کثیر تقاضے ہوں مگر اسے نقل کرنے والا واحد ہو پھر یہ تو اس وقت ہے جب ناقل صادق

ہو اور اگر قتل نصوری جیسا ہو جس کے بارے میں آپ پڑھ چکے تو یہ از خود اس کے موضوع و من گھڑت ہونے کی دلیل ہوگا شیخ جمال عزون ان کے اخلاق کا تذکرہ کر کے کہتے ہیں۔

واخال هذا الجرأة حملته على ان يتكلف الاشتغال بامر ابن دحية والاهتمام به والسعي في كتابة محضر من علماء الاندلس كما يقول هو والا فلم يسم واحد امنهم حتى ينظر فيه الناظرون بعين الدقة والتمحيص (مقدمة الايات۔ ۱۹)

میری رائے میں اسی جرأت و جسارت نے اسے اس پر ابھارا کہ وہ ابن دحیہ کے معاملہ میں مشغول اس کا اہتمام اور علماء اندلس محضر نامہ تحریر کروانے کی کی جس طرح ان کا اپنا بیان ان کے علاوہ ایک آدمی کا بھی نہیں لیا جس میں محققین، تحقیق دقت سے نظر کر سکیں۔

ڈاکٹر ابراہیم بن صدیق غماری لکھتے ہیں۔

لوحدث قبل هذا بالاندلس تواتراً او استفاضة على الاقل وسجله المؤرخون وربما نظم في لاشعار كما نظم من الحوادث ماهوا قل غرابة عنه واصبح من لوازم ترجمة ابي الخطاب في كتبهم بينما لا

اگر ایسی بات اندلس میں بیان ہوتی تو یہ تواتر سے منقول ہوتی یا کم از کم مشہور ہوتی اسے مورخین تحریر کرتے یا اشعار و نظم میں اس کا بیان ہوتا جیسا کہ اس سے کہیں کم درجہ کے واقعات نظم ہوئے ہیں تو یہ چیز شیخ ابوالخطاب

تجد لھٰذا المحضر ذكرا فی كتبهم المعاصرة للحدث ولا فی الا حقة كالذيل والتكملة المستقصٰی الجامع الذی يعتبر ماشذ عنه من مثل هذا الغرائب شاذا حقيقياً يرد ولا يقبل	کے حالات پر مشتمل کتب کا حصہ بن جاتی حالانکہ اس محضر کا ذکر ہی نہیں ملتا نہ ان کے دور کی کتب میں اور نہ بعد کی کتب میں مثلاً ذیل اور تکملہ جو اس قدر جامع ہیں کہ ان میں اس طرح رہ جانے والا واقعہ حقیقی طور پر شاذ اور مردود ٹھہرے گا اور اسے قبول نہیں جائے گا۔

اس کے بعد ضابطہ یوں لکھتے ہیں۔

القاعدة عند العلماء ان من اسباب رد الخبر ان يكون مما تتوافر الدواعی علی نقله تواترا او استفاضة ثم لاينقل الامن احاد الناس	اہل علم کے ہاں یہ ضابطہ ہے کسی خبر کی تردید کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے تواتر یا شہرت سے نقل پر کثیر دواعی و تقاضے ہونے کے باوجود اسے خبر واحد کے طور پر نقل کیا گیا ہو۔
(حقیقۃ المحضر۔۱۶۸)	

تو معلوم ہوا اہل علم کے ہاں محضر پر دستخطوں کا کوئی معقول ثبوت ہی نہیں۔

۲۔ اس محضر کے جعلی اور باطل ہونے میں جو بات تاکید پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ شیخ ابن الابار نے ان علماء سے سماع پر تصریح

کی جن کے بارے میں محضر میں ہے کہ ان سے شیخ ابن دحیہ کا سماع ثابت نہیں حالانکہ یہ جرح میں اس قدر متشدد ہیں کہ کسی کے ضبط و عدالت میں ادنیٰ شک بھی ہو تو اسے یہ قبول نہیں کرتے۔ انہوں نے شیخ ابن دحیہ کی ثنا کرتے ہوئے لکھا۔

وکان بصیراً بالحدیث معتنیاً بتقییدہ مکبا علی سماعہ حسن الخط معروفاً بالضبط لہ حظ وافر من اللغۃ ومشارکۃ فی العربیۃ وسواھا

یہ حدیث کے ماہر، ان کا وسیع مطالعہ اور مفہوم سمجھنے والے، سماع حدیث کے حریص، خوبصورت تحریر ضبط میں معروف اور لغت، علوم عربیہ اور دیگر میں خوب ماہر تھے۔

(التکملۃ ۔ ۳، ۱۶۵)

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لکھا۔

کتب الی بالاجازۃ سنۃ (۶۱۳)

انہوں نے مجھے بھی ۶۱۳ میں روایت حدیث کی تحریری اجازت دی۔

اسی طرح شیخ ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر غرناطی (۶۲۸ ۔ ۷۰۸) نے مشائخ سے سماع کی تصریح کی ہے۔

کان معتنباً بالعلم مشارکاً فی فنون منہ مجتھداً بالاخذ من الشیوخ ذاکراً للتاریخ والاسانید ورجال

علوم کا اہتمام اور متعدد فنون کے ماہر، مجتہد، شیوخ سے خوب حدیث کا سماع رکھنے والے، تاریخ اسانید رجال حدیث اور جرح

الحدیث والجرح والتعدیل سنیاً مجانباً لاهل البدع
(صلۃ الصلۃ۔۴‘۸۷)

و تعدیل کے حافظ سنی اور اہل بدعت کے مخالف تھے۔

شیخ حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک مراکشی (۶۳۴۔۷۰۳) نے مصنف کے مخالف ہونے کے باوجود اس بات کو تسلیم کیا ہے۔

کان راویۃ للحدیث شدید العنایۃ بلقاء المشائخ والاخذ عنھم متسع الروایۃ جید الخط محکم التقیید ذاکرا تواریخ المحدثین واخبارھم حافظاً لاداب
(الذیل والتکملہ۔۸:۲۰۸)

یہ حدیث کے راوی‘ شیوخ سے ملاقات اور ان سے حصول احادیث کا سخت اہتمام اور کثیر روایت کرنے والے‘ خوبصورت تحریر‘ قیودات علوم سے آگاہ۔ محدثین کے حالات و اخبار سے خوب آگاہ اور آداب کے حافظ تھے۔

ایک اور اہم شہادت

محضر میں مذکور مشائخ سے سماع پر ایک اہم شہادت صاحب تفسیر امام ابوحیان اندلسی کی بھی ہے۔

یاد رہے یہ عالم اندلسی ہیں لیکن مشرق میں رہے جب انہوں نے ایسی بات سنی تو فی الفور وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اندلس میں ان کا مشائخ قدماء سے سماع ثابت ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط

ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام ابوحیان کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

اشتهر بهذه البلاد فی افواه شبان المحدثين انه تكلم فيه ولا يبعد سماعه من ابن زرقون فقد سمع من تلك الحلبة كالسهيلی وغيره وقد وجدت سماعه بالاندلس علی هذه الطبقة التی فيها ابن زرقون

(لسان المیزان۔۴/۲۹۶)

ان علاقوں میں نوجوان محدثین کی زبان پر مشہور ہے کہ ان میں کلام و جرح ہے لیکن ان کا شیخ ابن زرقون سے حدیث لینا کوئی بعید نہیں کیونکہ انہوں نے اس حلقہ مثلاً امام سہیلی اور دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا ہے اور میرے علم میں ہے کہ انہوں نے اس طبقہ سے بھی سماع کیا ہے جس میں شیخ ابن زرقون ہیں۔

ڈاکٹر ابراہیم بن صدیق غماری اس شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وهذا شهادة اندلسی عالم خبير ثقة امام عاش بالاندلس مدة فعرف مايجری فی محيطها العلمی ثم ادی شهادته بالمشرق مدافعاً عن الرجل و معدلاً له

یہ ایسے اندلسی عالم باخبر اور ثقہ کی گواہی ہے جو امام اور اندلس میں کافی مدت رہنے والے ہیں یہ وہاں کے علمی معاملات سے خوب آگاہ ہیں پھر انہوں نے موصوف کا دفاع اور انہیں عادل قرار دیتے ہوئے مشرق میں گواہی دی ہے۔

کوئی بنیاد ہی نہیں

ان قوی شہادتوں کے بعد لکھتے ہیں۔

وذلك يفيد جملة وتفصيلا ان ما ادعاه صاحب المحضر لااساس له فيكون هذان المضمونان قد سقطا امام التمحيص

یہ تمام گفتگو بتا رہی ہے کہ صاحب محضر سنہوری کے دعووں کی کوئی بنیاد نہیں تو اب دونوں الزامات تحقیق و تمحیص کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔

(حقیقۃ المحضر۔۱۶۹)

اتہام و دشمنی پر سزا

سلطان کامل نے اس بے بنیاد اتہام پر شیخ سنہوری کو سزا دی۔ کوڑے لگائے۔ گدھے پر سوار کیا شہر میں پھرایا۔ شیخ تقی الدین احمد بن علی مقریزی (۸۴۵) نے اسی سزا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

لما ضرب طيف به الى انتهى الى منزل ابن دحية فلما سمع النداء عليه خرج اليه والقى عليه ثوبه وكلم فيه السلطان فخرج امره بالخروج عن الديار المصرية فتوجه نحو العراق ثم دخل بلاد العجم

جب اسے سزا دیتے ہوئے پھرایا گیا اور وہ ابن دحیہ کے گھر کے پاس پہنچے تو وہ ان کی آواز سن کر باہر آئے اور اپنی چادر اُن پر ڈال دی اور سلطان سے چھوڑنے کی سفارش کی تو اسے علاقہ مصر سے نکال دیا گیا تو وہ عراق کی طرف

وتوفی هناك فی حدود عشرین وستمائه علی مابلغنی

چلے گئے اس کے بعد وہ بلاد عجمی میں رہے اور وہاں ہی تقریباً ۶۲۰ میں فوت ہوئے۔

پھران کے شیخ ابن دحیہ پر کذب اور اتہام بازی کے بارے میں لکھا۔

وانا ابرأالی الله من عهدته وما تجرأ علیه من قبیح فعلته والحسدداء لادواء له
(المقفی الکبیر۔۱۴۹۱)

انہوں نے جو ابن دحیہ پر حملہ اور جرأت کی ہے یہ اس کا قبیح فعل ہے میں اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برأت کا اعلان کرتا ہوں حسد ایسی بیماری ہے جس کا علاج نہیں۔

بڑی عمر میں حصول علم

اس سنھوری کے محضر نامہ میں ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے علم و حدیث بڑی عمر میں حاصل کیا نہ کہ ابتدائی اور نوجوانی میں اور اس اعتراض کا مقصد بھی اس بات کو پختہ کرنا ہے کہ قدماء مشائخ سے ان کا سماع ثابت نہیں کیونکہ وہ ان کی جوانی میں فوت ہوئے۔

جواب۔

۱۔ ہم نے پہلے اعتراض کے جواب میں جو کچھ لکھا اس میں اس کا جواب موجود ہے کہ جب ان مشائخ سے ان کا سماع ثابت و

واضح ہے تو پھر یہ اعتراض کیوں؟

۲۔ یہ جوانی کے عالم میں دانیہ کے قاضی تھے کیا یہ منصب حصول علم سے پہلے مل گیا تھا؟

۳۔ اس کے اعتراض کے ابطال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے مخالفین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ نہایت کامل حفظ، ضبط، مطالعہ اور متعدد علوم خصوصاً لغت کے ماہر و حافظ تھے اور لغت میں پختگی اور مہارت کے لئے بچپن سے سیکھنا ضروری و لازم ہے یہ علم بڑی عمر میں حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے۔

ان حالات سے آشکار ہے کہ ان کا ماہر لغت و حدیث ہونا اندلس، جایہ اور تونس میں مشہور تھا۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس تھی ان علوم میں ان کی مہارت و شہرت کا یہ عالم تھا۔

حتی ان الامراء کا نوایدعونہ لتادیب اولادھم

حتیٰ کہ حکمران اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم کے لئے ان کی خدمات حاصل کیا کرتے۔

پھر ان کے علوم کو جانچنے کے لئے کئی مجالس کا انعقاد ہوا۔ کئی مناظرے ہوئے جن میں وہ غالب آئے اور کئی کتب مثلاً التنویر فی مولد السراج المنیر، زبانی املا کروائیں یہ تمام امور اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے یہ علوم ابتدائی عمر میں حاصل کیے۔

ہماری بات کی تائید شیخ ابوالعباس احمد بن احمد بن عبداللہ الغبرینی کے یہ الفاظ نہایت ہی واضح طور پر کر رہے ہیں ان کے لغت کے ماہر

ہونے کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

وكان من احفظ اهل زمانه للغة حتى صار حوشي اللغة عنده مستعملاً غالباً عليه ولا يحفظ الانسان من اللغة حوشيها الاو ذلك اضعاف اضعافه من مستعملها رأيت من كلامه كثيراً في رسائل ومخاطبات كلها مغلقات ومقفلات	یہ اپنے دور کے سب سے زیادہ لغت کے حافظ و ماہر حتیٰ کہ غالب مستعمل لغت کا یہ ذخیرہ تھے۔انسان لغت کا ماہر و حافظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ مستعمل سے کئی گنا زیادہ کا علم رکھتا ہو۔میں نے ان کے کلام کے حوالہ سے ان کے کثیر خطوط وتحریرات دیکھی ہیں وہ تمام کے تمام نہایت مغلق اور مشکل تھے۔

اس کے بعد سلطان ابوعلی بن یرموز کی طرف ایک خط کا ذکر کیا۔

لما وصلت هذه الرسالة لابى على بن يرموز لم يفهم لغتها فاستحضر كتب اللغة الصحاح وغيرها ليفد ويظهر له معناها فلم تنفع له الابعد ايام حتى سافرت الاجفان (عنوان الدرایہ۔۲۷۰)	جب ان کا خط ابوعلی بن یرموز کے ہاں پہنچا تو اس کے الفاظ نہ سمجھ پائے حتیٰ کہ کتب لغت وغیرہ کے ذریعے اس کی مشکلات کا ازالہ کر کے اس کے معانی سے آگاہی حاصل کی اور اس کے سمجھنے میں کچھ دن لگے حتیٰ کہ کشتیاں جا چکی تھی۔

شیخ استاذ ابراہیم بن الصدیق بخاری اسی طعن کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بل ان محتوی ذلك الكتاب يدل على اخذه فی شبیبته ویبعدان یکون نلقی ذلك بعد ماکبر سنه

بلکہ اس کتاب کے مشمولات بتاتے ہیں کہ انہوں نے نوجوانی میں علم حاصل کیا کیونکہ ایسی اشیاء کا حصول کبر سنی میں بعید ہوتا ہے۔ (حقیقۃ الحضر ۔۱۷۲)

۴۔ کبر سنی میں چونکہ حصول علم عیب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسے آدمی کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اگر شیخ ابن دحیہ کا یہ معاملہ ہوتا تو ان کے حالات میں سنہوری کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ذکر کرتے۔ حالانکہ یہ بات صرف سنہوری نے ہی لکھی ہے۔

۵۔ تمام اہل علم نے قدماء شیوخ سے ان کا حدیث حاصل کرنا تحریر کیا ہے یہ تبھی ہے کہ انہوں نے ابتدائی عمر میں حدیث و علم حاصل کیا نہ کہ کبر سنی میں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) شیخ ابوبکر محمد بن یوسف ابن مسدی اندلسی غرناطی (۶۶۳) سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ ابن دحیہ نے ۵۶۰ اور ۵۷۰ کے درمیان اندلس میں حدیث پڑھی۔

سمع بالاندلس من ابن خير وابن بشكوال والسهيلى

انہوں نے اندلس میں شیخ ابن خیر امام ابن بشکوال، امام سہیلی اور ایک۔

وجماعة ثم رأيت بخطه انه سمع بين الستين الى السبعين وخمس مائه من جماعة كابى بكر ابن خير واللوالى وابى الحسن بن حبيش وليس ينكر عليه	جماعت محدثین سے حدیث پڑھی انہوں نے لکھا انہوں نے ۵۶۰ اور ۵۷۰ کے درمیان جماعت محدثین مثلاً سماع کیا شیخ ابوبکر بن خیر لوائی ابوالحسن بن حبیش اور اس کا کسی نے رد نہیں کیا۔

(لسان المیزان۔۴۔۲۹۴)

امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی (۷۴۸) شیخ ابوعبداللہ الابار کے حوالہ سے لکھتے ہیں یہ صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اور ابوالبسام الحسینی کی اولاد میں سے ہیں۔

سمع ابابكربن الجد وابا القاسم بن بشكوال وابا عبدالله بن المجاهد وابا عبد الله بن زرقون وابالقاسم بن حبيش وابامحمد بن عبيد الله وابا محمد بن بوته	اور انہوں نے امام ابوبکر بن جد' امام ابوالقاسم بن بشکوال' ابوعبداللہ بن مجاہد' ابوعبداللہ بن زرقون' ابوالقاسم بن حبیش' ابومحمد بن عبداللہ اور ابو محمد بن بوتہ سے حدیث پڑھی۔

دوسرے مقام پر شیخ ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن بشکوال (۴۹۴۔۵۷۸) کے تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ان میں۔

موسىٰ بن عبدالرحمن الغرنا	شیخ محمد موسیٰ بن عبدالرحمٰن غرناطی'

ابوالخطاب بن دحیہ اور ان کے بھائی ابوعمرو شامل ہیں۔

طی وابوالخطاب بن دحیة واخوه ابوعمرو

(تذکرة الحفاظ: ۴-۹۰)

سزا کا سبب

پیچھے آپ نے شیخ تقی الدین مقریزی کے حوالہ سے پڑھا کہ سلطان کامل نے شیخ سنہوری کو شیخ ابن دحیہ کی مخالفت پر سزا دی تھی اور مصر سے اسے نکال دیا۔ اس سزا کا سبب کیا بنا؟ اس کا سبب محضر نامہ کو قرار دینا درست دکھائی نہیں دیتا کیونکہ شیخ سنہوری سلطان کے ہاں شیخ ابن دحیہ کا مقام جانتے تھے تو وہ کیسے ان کے نسب اور روایت پر محضر نامہ کی صورت میں طعن کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی اس سزا کا ذکر کیا انہوں نے مخالفت شیخ ابن دحیہ کلبی کی بات تو کی مگر محضر نامہ کا ذکر تک نہیں کیا تو مخالفت کا سبب سنہوری کا دعویٰ سماع بھی ہوسکتا ہے۔ جس کی تکذیب شیخ ابن القطان وغیرہ نے بھی کی تھی ممکن ہے، جب شیخ ابن دحیہ نے ان کی تکذیب کی تو انہوں نے حسب مزاج زبان طعن دراز کی ہو جسے سلطان برداشت نہ کر سکا۔

مثلاً شیخ ابن الابار، ابن عبدالملک اور ابن مسدی نے سزا کا لکھا مگر محضر کا ذکر نہیں کیا شیخ ابن الابار نے شیخ سنہوری کے حالات میں لکھا ہمیں شیخ ابوالقاسم بن ابی کرامہ تونسی نے بتایا۔

ان السنهوری هذا لما انصرف الی مصر امتحن بملكها الكامل محمد بن عادل ابی بكر بن ايوب لاجل معاداته ابا الخطاب ابن الجميل فضرب بالسياط وطيف به علی جمل مبالغة فی اهانته

یہ شیخ سنہوری جب مصر لوٹے تو شیخ ابوالخطاب بن جمیل کی دشمنی کی وجہ سے سلطان کامل محمد بن عادل ابوبکر بن ایوب کے ہاں مصیبت میں مبتلا ہوئے تو اس نے انہیں کوڑے لگوائے اور شہر میں سواری پر پھیرا کر ذلیل کیا۔

(التکملۃ۔ ۱:۱۵۰)

اسی طرح شیخ ابن عبدالملک نے لکھا۔

ولما عاد مصر امتحن بسبب ابن دحية فضرب بالسياط وطيف به علی جمل مبالغة فی اهانته

جب سنہوری مصر واپس لوٹے تو ابن دحیہ کی وجہ سے وہ مصیبت میں پڑے تو انہیں کوڑے لگانے اور شہر میں سواری پر پھیرا کر رسوا کیا گیا۔

(لسان المیزان۔ ۱، ۵۴)

اگر کوئی محضر نامہ ہوتا تو ابن عبدالملک اس کا تذکرہ ضرور کرتے کیونکہ یہ بعد کے بھی ہیں اور ابن دحیہ کے خلاف بھی ہیں۔

شیخ ابن مسدی کے الفاظ اس قدر ہیں کہ سلطان نے انہیں سزا دی جب انہیں شہر میں پھیرایا جارہا تھا۔

اجتازوا علی بیت ابن دحیة فخرج والقی ثوبه علیه وکلم فیه الکامل فامر باخراجه من البلاد

(لسان المیزان:۱۔۵۴)

جب سپاہی انہیں ابن دحیہ کے گھر کے پاس سے لے کر گزرے تو وہ گھر سے باہر آگئے اور اپنی چادر ان پر ڈال دی اور سلطان کامل سے چھوڑنے کا کہا تو سلطان نے ملک بدری کا حکم جاری کر دیا۔

اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ شیخ ابن دحیہ کلبی نے مخالفت کے باوجود سنھوری کی سفارش کی لیکن محضر کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا ان تمام حقائق سے واضح ہو رہا ہے کہ ایسا محضر نامہ تھا ہی نہیں کہ جسے کوئی لکھتا اور اس سے نقل کرتا۔ڈاکٹر ابراہیم بن صدیق غماری نے خوب کہا۔

لم یقل احد ممن ذکرہ انه راہ ولا نقلت رؤیته اورؤیة خطوط العلماء فیه عن احد سواء کان ثقة او غیر ثقة وکل من ذکرہ انما نقل محتویاته عن السنهوری نفسه

(حقیقة المحضر ۔۴۔۱۷)

کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے محضر نامہ دیکھا ہے نہ ہی اسے کسی کا دیکھنا یا اس میں علماء کے دستخط دیکھنا نقل کیا سوائے سنہوری کے کسی سے منقول نہیں نہ ثقہ سے اور نہ غیر ثقہ سے جس نے بھی اس کا تذکرہ کیا اس نے سنہوری سے ہی لیا ہے۔

واقعہ شیخ ابوالحسن علی المقدسی کی تفصیل

دوسری دلیل جو ان کے کذب وضعف پر بیان کی جاتی ہے وہ یہ واقعہ ہے، شیخ ابن نجار نے حافظ ابوالحسن علی بن مفضل مقدسیؒ (۵۴۴_۶۱۱) سے نقل کیا ہم عام مجلس سلطان میں بیٹھے تھے، وہاں ابن دحیہ بھی تھے، مجھ سے سلطان نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا، میں نے وہ حدیث ذکر کی، اس نے پوچھا اس کا راوی و ناقل کون ہے؟ اس وقت مجھے اس کی سند یاد نہ تھی بعد میں مجھے شیخ ابن دحیہ ملے تو کہنے لگے جب سلطان نے تم سے سند پوچھی تھی تم کوئی بھی سند بیان کر دیتے کسی کو کیا معلوم یہ سند صحیح ہے یا نہیں؟ تو تمہاری عزت اس کے ہاں زیادہ ہوجاتی۔

فعلمت انه جری علی الکذب تو اس سے میں نے یہ محسوس کیا ابن دحیہ جھوٹ بولنے والے ہیں۔

جواب۔ کچھ حقائق کا تذکرہ

اس اعتراض کے جواب کے لئے تمہیداً کچھ اور حقائق کا سامنے لانا ضروری ہے وہ یہ کہ صفی الدین ابو محمد عبداللہ بن علی المعروف ابن شکر الوزیر (۵۴۸۔۶۶۲) اور شیخ ابن دحیہ کے درمیان عداوت تھی، اس کی وجہ سلطان کامل کے ہاں شیخ کے مقام پر حسد تھا تو اس وزیر مالکی نے مدرسہ قائم کیا اور ابن دحیہ سے مقابلہ کے لئے شیخ علی بن المفضل کو وہاں مقرر کیا مقصود سلطان کامل کے ہاں ابن دحیہ کے مقام کو گرانا تھا، اس حقیقت کو شیخ ابن سید الناس نے ان الفاظ میں ذکر کیا۔

کان ابو الخطاب قدنال من الملك الكامل ارفع خطوة لاتكاد تحل لابی الخطاب اذا دحل علیه حبوة فبلغ فی دولته کل الاقتراح وامتزج کل منها بالآخر امتزاج الماء بالراح حتی خص اکابر دولته من ذلك بالداء الدوی وغص الصفی ابن شکر بصفاء مورد ذلك الودالروی فعالج کل العلاج لیفسد ذلك الامتزاج

شیخ ابوالخطاب نے سلطان کامل کے ہاں ایسا بلند مقام پایا کہ ابوالخطاب کو وہاں سے نیچے لانا دشوار ہے کہ اس حکومت میں ہر لحاظ سے مقام پایا اور وہ ایک دوسرے سے اس طرح حل ہوئے جیسے پانی دودھ حتیٰ کہ اکابرین حکومت کو اس پر حسد عارض ہوگیا یا اور ھی بن شکر اسی حسد کی لہر کی نذر ہو گئے اور وہ اس میں اس قدر کوشاں تھے تا کہ یہ اتصال فساد

فكان في سعيه ذلك ان بنى
مدرسة لمذهب مالك و
استقدم لها الحافظ ابا الحسن
ابن المقدسي ليزاحم ابن
دحية بهثيد حضه عند الملك
الكامل في منصبه فلم يتهيأ
ذلك له ولازحزحه عن تلك
المنزلة وكانت تقع في ذلك
من ابن المقدسي فيه امور
ونفثات مصدور يشيعها من
اصحاب ابي الحسن من
يعرف و من لايعرف ويذيعها
من تنكر منهم ومن تعرف
وربما زاد فيها السامع حين
ادى واتى من حيث لايشعر
شيأ ادا وانما وصلت اليه
مرسلة ونقلت الينا مجملة لا
مفصلة لايعول عليها في
جرح ولا بستند اليها في قدح
واخال من ذلك حديث

سے بدل جائے تو ان کی کاوش
مذہب مالکی کے لئے ایک مدرسہ کا
قیام بھی ہے اس کے لئے انہوں
نے حافظ ابوالحسن بن مقدسی کو بلایا
تا کہ ابن دحیہ کا مقابلہ کیا جاسکے
اور سلطان کامل کے ہاں منصب
ختم کیا جائے لیکن وہ اس میں
کامیاب نہ ہوئے اور نہ ہی اس
مقام سے گرا سکے۔ اس وجہ سے
ابن مقدسی سے چند امور اور حسد
کی چیزیں میں صادر ہوئیں، علم
رکھنے والے اور نہ علم رکھنے والے
اصحاب شیخ ابوالحسن نے انہیں خوب
پھیلایا اور ہر بری وا چھی خبر ان
کے بارے میں مشہور کر دی۔
متعدد اشیاء سامعین نے اس میں
شامل بھی کر دی حالانکہ یہ چیزیں
متصلاً نہ پہنچی تھیں بلکہ مجمل طور پر
ہم تک آئی ہیں لہذا جرح میں ان
پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی

المغرب. قدرح میں سند' میرے خیال میں

(اجوبۃ ابن سید الناس' ۲۴۹) انہی سے حدیث مغرب گھڑنے کا معاملہ ہے۔

جب یہ بات سامنے آگئی کہ شیخ ابن مقدی کو وہاں لانے کا مقصد ہی شیخ ابن دحیہ کے مقام کو گرانا تھا تو کیسے ہوسکتا ہے کہ شیخ ان سے ایسی بات کہیں جس سے انہیں ان کے خلاف کہنے کا موقعہ مل جائے' یہی بات آگے شیخ ابن سید الناس نے کہی۔

کہ بعض اساتذہ نے ہمیں بتایا کہ شیخ' ابن مقدی نے شیخ ابو الخطاب سے کہا آج بادشاہ کامل نے مجھ سے حدیث پوچھی جس کی سند مجھے نہ آئی میں اس پر بہت پریشان ہوا تو کہنے لگے تونے یہ سند کیوں نہ بیان کردی رواہ مالك عن نافع عن ابن عمر کیونکہ کسے علم تم کیا کہہ رہے ہو۔

ویبعد جداً ان یفوہ احد لمنا صبہ بما یقدح فی مناصبہ او ان یدل عن عورتہ من تصدی لتتبع عثرتہ

(اجوبۃ ابن سید الناس۔۲۵۰)

یہ نہایت ہی بعید ہے کہ وہ اپنے مقابل کے ساتھ ایسی بات کریں جو ان کے مقام کے منافی یا وہ ایسی بات ہو جو مخالف اور طعن تلاش کرنے والوں کو موقعہ فراہم کرنا ہے۔

الغرض یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے مخالف کے ہاتھ اپنے ہی قتل کے لئے ہتھیار تھما دے یعنی ان میں آپس کی چپقلش واضح کر رہی

ہے یہ واقعہ درست نہیں۔

۲۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے مجلس میں دیگر علماء و حفاظ کی موجودگی میں سلطان نے صرف ابن المفضل مقدسی سے سوال پر ہی کیوں اکتفا کیا حالانکہ تقاضا یہ بنتا ہے کہ وہ تمام سے پوچھتا تاکہ ہر ایک کی رائے سامنے آتی۔

۳۔ ممکن ہے شیخ ابن دحیہ کلبی نے ان سے یہ بات بطور آزمائش کہی ہو تاکہ ان کے تقویٰ و ورع کا اندازہ ہو۔

۴۔ کیا کہیں ابن مقدسی کا جواباً اس فحش غلطی پر انہیں جھڑکنا، منع کرنا اور ایسے عمل سے باز رکھنے کا ذکر ہے۔

۵۔ شیخ ابن دحیہ کا روایت ضعیف اور موضوع کے خلاف متشدد ہونا بھی اس واقعہ کی نفی پر شاھد ہے۔

۶۔ سلطان کا سوال یہ تھا کہ اس روایت کو کون سے امام حدیث نے نقل کیا ہے مثلاً امام بخاری، امام مسلم تاکہ اس روایت کی صحت وثبوت واضح ہو کیونکہ اس دور میں کتب مدون ہو چکی تھیں تو سوال یہ تھا کہ اس حدیث کے مخرج و ناقل کی نشاندہی کریں تو شیخ ابن دحیہ نے انہیں اس طرف متوجہ کیا کہ سلطان نے تم سے راویان حدیث یا سند نہیں پوچھی بلکہ حدیث کا مخرج پوچھا اور وہ تم سے اوجھل نہیں تھا۔

لہٰذا یہ تمام شواھد بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ ہی درست نہیں بلکہ مشکوک ہے اور شک کی بنیاد پر کسی عظیم محدث کو کذاب وضعیف قرار دینا

ظلم کے سوا کچھ نہیں۔

کچھ آئمہ کے اقوال

پیچھے متعدد اہل علم کے اقوال شیخ موصوف کے حفظ و ضبط اور وسعت مطالعہ کے حوالہ سے گزرے ہیں یہاں کچھ ایسے اقوال ذکر کیے جارہے ہیں جو انہوں نے کچھ لوگوں کی جرح و طعن نقل کرنے کے بعد لکھے ہیں۔

۱۔ شیخ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ مجھے شیخ کمال الدین محمد بن یحیٰ ہمدانی نے کہا ہمارے نزدیک شیخ ابوالخطاب کی گفتگو متروک اور ان کی خطا وصواب قابل اعتنا ہی نہیں اس پر لکھتے ہیں۔

ولیس ذلك فیما اظن الامن بقیة تلك الاثار واللہ ینزل الجمیع بعفوہ فی الایراد والاصدار

میری رائے میں یہ معاصرین کی تنقید کے بقایات میں سے ہے اللہ تعالیٰ تمام کو ان کے اعتراض وارد کرنے اور رجوع کرنے پر معاف فرمادے۔

(اجوبۃ ابن سید الناس۔ ۲۴۹)

۲۔ شیخ تقی الدین مقریزی (۸۴۵) شیخ سنہوری کے اتہامات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

انا ابرأ الی اللہ من عھدتہ وما تجرأ علیہ من تقبیح فعلتہ والحسدداء لادواء لہ

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی ذمہ داری اور ابن دحیہ پر ان کے حملوں سے برأت کا اعلان کرتا

(المقفی الکبیر: ۱-۱۴۹) ہوں حسد ایسی بیماری ہے جس کی کوئی دوانہیں۔

۳۔ علامہ احمد بن محمد المقری تلمسانی (۱۰۴۱) لکھتے ہیں۔

تکلم فیه جماعة فیماذ کره ابن النجار وقدره اجل مما ذکروه

بقول ابن نجار' ایک جماعت نے ابن دحیہ پر جرح کی ہے لیکن ان کا مقام اس جرح سے کہیں بلند وبالا ہے۔ (نفح الطیب: ۲-۳۰۶)

۴۔ شیخ محامی عباس عزاوی نے "النبراس فی تاریخ خلفاء بنی العباس" کے مقدمہ میں بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے۔

اشتهر المترجم فی ثقافات متعددة عرف بالتاریخ کما ذاع صیته فی الحدیث وهو من النوابع فی الاداب والعلوم

شیخ ابن دحیہ کی متعدد ثقافات میں شہرت ہے تاریخ کے ماہر ہیں جیسا کہ حدیث میں مشہور ومقبول زمانہ تو یہ اداب وعلوم میں چشمہ ومرکز کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس کے بعد لوگوں کے طعن وجرح کی بات نقل کر کے لکھا۔

والتحلیل النفسی یسوقنا قطعاً الی انه کان من فحول العلم والادب وکفی ان نعین ماقاله بعض المؤرخین فیه لتتبین ماحدثه من

ان کی ذات کا تحقیق تجزیہ قطعی طور پر ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ علوم وآداب میں کامل اور ماہر ہیں ہمارے لئے یہی کافی ہے جو بعض مورخین نے کہا اسے سامنے لائیں

نفسیات متعاکسة الا انه اذا لم یکن اعظم من ناقدیه فلایقل عنهم مکانة (مقدمہ صہ ۵)

تا کہ ان کی شخصیت کی مختلف جہات سامنے آ جائیں۔ البتہ اگر وہ اپنے ناقدین سے بڑے نہیں تو ان سے کسی طرح مقام میں کم بھی نہیں۔

آگے چل کر کہتے ہیں۔

ہمارا مقصد ان کا تزکیہ یا دفاع نہیں مگر ان پر جو تنقید کی گئی ہے محض ذاتی و شخصی محسوس ہوتی ہے کیونکہ آج بلکہ موصوف کے دور میں سند حدیث کی قدر کتب کے مدون ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئی اب وہ کتب ہر ایک کی دسترس میں ہیں اور ان کی طرف رجوع آسان ہے جیسا کہ نقد رجال کا حصول بھی کوئی دشوار نہیں۔

وان الحافظة یطرأعلیها بعض الضعف من تراکم المعلومات والاضطراب فی التذکر وهذا عیب محدود لا یؤخذ علیه بهذه القسوة والفقدله میزان فی الجرح والتعدیل والامر کما یظهر ناشیٔ من منافسة دنیویة اواختلاف فی الاتجاه وکان

حافظہ پر کچھ ضعف عارض ہوا جیسا کہ تم نے معلومات میں پایا اور اس کے تذکرہ میں اضطراب بھی پایا لیکن یہ عیب اس قدر کم اور محدود ہے کہ اس کی وجہ سے سختی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی ایسی تنقید جو جرح و تعدیل کی کسوٹی ہے اور یہ معاملہ (جیسا کہ ظاہر ہے) دنیاوی منافع کے حصول یا

بعض انداده من المعاصرين براعون التحزب والتعصب بكل شدة هذا فی حین ان صاحب نفخ الطيب يذكر حادث اختیاره وظهور قدوته العلمية فی الحديث

حصول منصب کے اختلاف کی وجہ سے ہوا۔ ان کے بعض معاصرین نے تفرق و تعصب میں پوری شدت اختیار کی حالانکہ اس کے ساتھ صاحب نفخ الطیب نے لکھا کہ اہل علم نے حدیث میں انہیں خوب پرکھا اور ان کا محدث ہونا مسلم طور پر سامنے آچکا تھا۔

تمام مورخین کا اتفاق

آگے لکھتے ہیں۔

والمؤرخون بحمعون على انه رجل عظيم يعد بين اكابر رجال العلم واعاظم المؤلفين ومشاهير الادباء والمحدثين وتد مضى الزمن الذى يقبل فيه القول من كل قائل بل يجب ان ينبه على جهات الغلط ومن راجع

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ بڑے آدمی ہیں ان کا شمار، رجال علم، عظیم مصنف مشہور ادباء اور محدثین میں ہوتا ہے۔وہ دور گزر گیا جب ان کے بارے میں ہر قول قبول کر لیا جاتا تھا بلکہ اب تو غلط و نقص کی جہت کو مسترد کرنا لازم ہے۔جو بھی ان کے حالات

تاريخ الرجل علم انه لم يعدل في تاريخه عن بيان النص وايراد مرجعه في مواطن تضطرب فيها الاوهام او تلتبس الظنون والامور النقلية لايطلب منها اكثر من تصحيح النقل

(مقدمہ للنبراس۔ صہ۲)

سے آگاہی حاصل کرے گا (یہی ہمارا موضوع ہے) وہ جان لے گا کہ ان کے حالات بیان کرنے میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا نہ توصیح الفاظ ذکر کیے کچھ مقامات کا ایسا ذکر کیا کہ اس سے اوہام نے جنم لیا اور خیالات منتشر ہوئے حالانکہ امور نقلیہ میں صحت نقل سے بڑھ کر کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔

۵۔ اعتراض خامس: حدیث گھڑنا

ایک اعتراض ان پر یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ انہوں نے دوران سفر، نماز مغرب میں قصر کے بارے میں حدیث گڑھی ہے۔

حافظ ابن کثیر (ت۔۷۷۴) لکھتے ہیں۔

انه وضع حديثاً في قصر صلاة المغرب وتعرض بسبب ذلك لنقمة العامة حتى انه لما وصل غزه سنة ۶۱۶ھ خرج اهلها بالاسلحة والعصىٰ

ابن دحیہ نے نماز مغرب میں قصر کے حوالہ سے حدیث گڑی اس کی وجہ سے عوام ان سے بگڑ گئے حتیٰ کہ جب وہ ۶۱۶ ہجری کو غزہ گئے تو لوگ اسلحہ، ڈنڈے اور پتھر لے

والحجارة الی الموضع الذی	کر ان کی جائے قیام پر آئے اور
ھو فیہ وضربوہ ضربا شدیداً	انہیں خوب پیٹا اور ان کے ساتھی
بعد ان انضرم من کان معہ	بھاگ نکلے۔

(البدایہ)

جواب

۱۔ ان کے حالات جمع کرنے والوں میں سے ایک نے بھی ایسی بات ہرگز نہیں لکھی۔

۲۔ تمام محدثین نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ ان سے ایسی کوئی بات پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ حافظ عراقی نے شرح الفیہ فی الحدیث میں اس حکایت کے بارے میں لکھا۔

ان ثبت عنہ	اگر یہ بات شیخ ابن دحیہ سے ثابت ہو۔

(التبصرہ:۱۔۳۰۹)

یعنی انہوں نے اس حکایت کو تسلیم کرنے کے بجائے مشکوک قرار دیا اور ان کا یہ شک بالکل درست ہے کیونکہ شیخ موصوف کی زندگی میں ایسا جرم ہرگز ثابت نہیں۔

اسی طرح شیخ ابن ایبک نے شیخ ابن سید الناس سے جب یہی سوال کیا کہ۔

هل صح ان ابا الخطاب ابن دحية وضع حديث فی قصر صلاۃ المغرب

کیا یہ صحیح ہے کہ ابوالخطاب بن دحیہ نے قصر نماز مغرب کے حوالہ سے حدیث گڑی تھی؟

تو انہوں نے جواباً لکھا' شیخ ابن دحیہ کے حوالہ سے کچھ باتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں۔

نقلت الینا مجملة لا مفصلة لایعول علیها فی جرح ولایتسند الیها فی قدح واخال من ذلک حدیث المغرب

جن میں اجمال ہے نہ کہ تفصیل تو جرح کے لئے ان پہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی یہ ان پر طعن کے لئے معتمد ہیں ان میں سے حدیث نماز مغرب بھی ہے۔

(اجوبۃ ابن سید الناس۔۲۵)

۳۔ اگر انہوں نے حدیث گڑنا ہوتو کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں گڑتے جس میں اختلاف ہوتا اور وہ معاملہ عمیق و مخفی ہوتا نماز مغرب میں عدم قصر تو اجماعی معاملہ ہے معاشرے کا کوئی باشعور آدمی ایسا پاگل پن نہیں کرسکتا چہ جائیکہ امت کا عظیم محدث اور صاحب مطالعہ ایسا کرے؟

۶۔ اعتراض سادس: ظاہری المذہب ہونا

ان پر یہ اعتراض بھی اٹھایا گیا ہے کہ یہ ظاہری المذہب ہونے

کی وجہ سے آئمہ اور اسلاف پر تنقید کرتے ہوئے زبان درازی کرتے۔

شیخ ابن دمیاطی کہتے ہیں۔

وکان ظاهری المذهب کثیر الوقیعة فی السلف

یہ ظاہری المذہب اور سلف پہ اکثر طعن کرنے والے ہیں۔

(ذیل تاریخ بغداد۔۲۱۔۱۵۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نقل کرتے ہیں۔

کثیر الوقیعة فی الائمة وفی السلف من العلماء

یہ آئمہ اور سلف علماء پر بہت زیادہ طعن کرنے والے ہیں۔

(لسان المیزان۔۴،۲۹۶)

جواب

ا۔ کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ شافعی المذہب تھے نہ کہ ظاہری المذہب، شیخ مبارک بن احمد ابن شعار موصلی (۵۹۳،۶۵۴) نے انہیں شافعی قرار دیا ہے۔ شیخ جمال عزون انہی کے حوالہ سے کہتے ہیں، شیخ ابن نجار نے انہیں اگرچہ ظاہری المذہب لکھا مگر

وقد اعتبر ابن الشعار ابن دحیة شافعی المذهب

شیخ ابن شعار نے ابن دحیہ کو شافعی المذہب قرار دیا ہے۔

(عقود الجمان:۵۔۳۱۰)

اسی طرح کچھ نے انہیں مالکی بھی لکھا ہے شیخ محمد مخلوف

(۱۳۶۰) نے اپنی کتاب 'الشجرة الزکیة فی طبقات المالکیه' میں انہیں علماء مالکیہ میں شمار کیا۔

ان کا تعارف ان کلمات میں لکھا ہے۔

الامام البصیر بالحدیث المعروف بالضبط الوافی الحظ من اللغة والعربیة وغیرهما سمع عن ابن بشکوال وابن الجد وابن خیروابن زرقون وابن حبیش وابن عبید الله وابن مضاء حدث بتونس سنة ۵۹۵ھ عن هؤلا بصحیح مسلم و عن آخرین منهم ابن المناصف وابن قرقول ولی قضاء دانیة مرتین رحل لتلمسان ثم تونس و حج و کتب بالمشرق عن جماعة باصبهان ونیسا بور واستوطن القاهرة ونال جاهاً ودنیا عریضة أخذعنه الناس منهم

امام' ماہر حدیث ضبط میں معروف' لغت' عربیہ وغیرہ کے ماہر' امام ابن بشکوال' ابن اجد' ابن خیر ابن زرقون' ابن حبیش' ابن عبید اور ابن مضاء سے حدیث پڑھی ۵۹۵ ہجری میں ان اساتذہ سے تیونس میں صحیح مسلم روایت کی اور دیگران ائمہ ابن مناصف' ابن قرقول سے شہر دانیہ کے دو دفعہ قاضی مقرر ہوئے۔ تلمسان وتیونس گئے۔ حج کیا۔ اصبھان اور نیشا پور میں ایک جماعت محدثین سے حدیث لکھی۔ قاہرہ مقیم ہوئے وہاں خوب منصب و دنیاوی عزت پائی ان سے لوگوں نے حدیث پڑھی ان میں ابن الابار اور ابوالحسن لوائی بھی ہیں ان کی تصانیف میں اعلام

ابن الابار وابو الحسن اللوائی له تالیف منها اعلام النص المبین فی المفاضلة بین اهل صفین توفی سنة ۶۳۲ھ (شجرة النور الزکیة فی طبقات المالکیة:۱-۲۵۸)	النص المبین فی المفاضلة بین اهل صفین بھی ہے۔

۲۔ ظاہری المذہب ہونے سے یہ کب لازم آجاتا ہے کہ وہ شخص قابل اعتبار ہی نہ رہے کیا کسی نے ایسے شخص کو گمراہ قرار دیا ہے۔ اہل علم نے ہمیشہ ایسے علماء کا احترام کیا ہے مثلاً۔
امام اسحاق بن راھویہ، شیخ داؤد ظاہری اور شیخ ابن حزم رحمھم اللہ تعالیٰ کی اراء احترام سے نقل کیں ہیں جبکہ ایک دور میں ظواہر کا اس قدر غلبہ تھا کہ اسے چوتھا مذہب قرار دیا گیا۔ شیخ محمد زاہد کوثری لکھتے ہیں۔

فانتشر القول بالظاهر فی الشرق حتی کان المذهب الظاهری رابع المذاهب الاربعة فی القرن الرابع کما فی احسن التقاسیم ثم حل محله المذهب الحنبلی فی البلاد الشرفیة مغنذ من القاضی ابی یعلی الحنبلی	مشرق میں ظاہری مذہب کا غلبہ ہوگیا حتیٰ کہ چوتھی صدی ہجری میں مذہب ظاہری، مذاہب اولیہ میں سے چوتھا مذہب تھا جیسا کہ احسن التقاسیم میں ہے پھر قاضی ابویعلی حنبلی کے دور میں ان علاقوں میں مذہب حنبلی نے اس کی جگہ لے لی۔

(مقدمہ النبذ فی اصول الفقہ

الظاہری:۴۸۲)

۳۔ ایسے علماء کا دیگر اہل علم سے اختلاف کرتے ہوئے انہیں سخت و سست کہہ دینا سبب جرح نہیں ہوا کرتا آج تک کسی نے بھی ایسی بات ہر گز نہیں کی۔ شیخ ابن حزم کے بارے میں لوگوں کو کس قدر شکایت ہے مگر ان کی علمی آراء کو اس وجہ سے پھینک تو نہیں دیا گیا۔

امام زاھد کوثری ہی لکھتے ہیں شیخ ابن حزم۔

علی سعة علمه کان کثیر التهجم والا ستطالة حتی عد لسانه کسیف الحجاج	وسعت علم کے باوجود اہل علم پر کثرت سے حملہ آور ہوتے' ان کی طلاقت لسانی کو حجاج کی تلوار شمار کیا گیا ہے۔

(ایضاً)
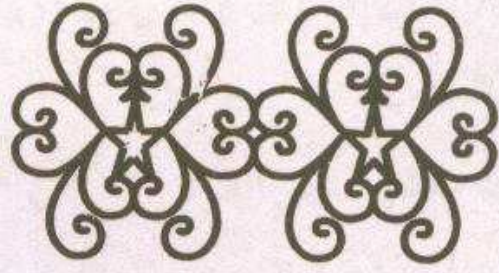
ایک اور بات کا نوٹس
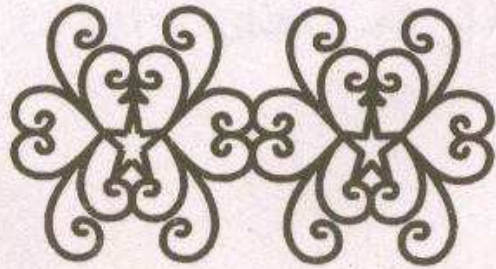
یہاں ایک اور بات کا نوٹس لینا بھی ضروری ہے شیخ جمال عزون نے شیخ ابن شعار کے حوالہ سے لکھا۔

ان الملك مظفر الدين انفرد شئ ما سبقه احد اليه من الملوك الماضين والخلفاء المتقدمين واختص به دونهم (مقدمة الايات' ۱۰۱)

محفل میلاد منعقد کرنے میں یہ حکمران مظفر الدین ہی منفرد ہیں ان سے پہلے کسی بادشاہ اور خلیفہ نے ایسا نہیں کیا تو یہ عمل صرف انہی کا ہے نہ کہ دیگر حکمرانوں کا۔

نکتۂ نظر سے اختلاف

ہمیں اس نکتہ نظر سے بھی اختلاف ہے کہ سب سے پہلے حکومتی سطح پر میلاد بنانے والے یہی حکمران ہیں کیونکہ اس سے پہلے بھی بعض حکمرانوں کا میلاد منانا ثابت ہے مثلاً اہل تاریخ نے سن ۴۸۴ ہجری کے تحت جلال الدولہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے بارے میں لکھا جب وہ مہمات سے فارغ ہوکر دوسری مرتبہ بغداد آئے تو انہوں نے خوب دھوم سے محفل میلاد کا انعقاد کیا۔

۱۔ امام عزالدین ابن اثیر شیبانی (۶۳۰) لکھتے ہیں۔

فی هذه السنة فی شهر رمضان

اس سال (۴۸۴) میں ماہ

اور مسلمان آدمی کے ظلم سے جامع مکمل نہیں ہوا کرتی اس۔ لئے میں نے انہیں ذمہ دار بنایا ہے؟

غلب علی ظنی انه لا یظلم — میرا غالب گماں یہی ہے کہ یہ ظلم نہیں کریں گے

اس کے بعد شیخ کا تعارف ان کلمات میں لکھا۔

وکان عمر الملاء من الصالحین و انماسمی الملاء لانه کان یملاء تنانیر الاجرویا خذ الاجرة فیتقوت بها وکان ما علیه مثل القمیص و العمامة ما یملك غیره ولایملك من الدنیا شیئا وکان عالما بفنون العلم

شیخ عمر ملا صالح عالم ہیں الملاء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اینٹوں سے تنور بھرتے اور اس پر اجرت و مزدوری حاصل کر کے گزارہ کرتے۔ صرف قمیض اور عمامہ کے مالک تھے اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہ ہوتا اور دنیا میں کسی شے کے مالک نہ تھے اور وہ کئی علوم وفنون کے ماہر تھے۔

ان کی عظمت و مقام کا عالم یہ ہے۔

وجمیع الملوك والعلماء والاعیان یزورونه ویتبر کون به وصنف کتاب سیرة النبی صلی الله علیه وسلم

تمام حکمران، اہل علم اور کبار لوگ ان کی زیارت کرتے اور ان سے تبرک حاصل کرتے۔انہوں نے سیرت نبوی ﷺ پر کتاب لکھی۔

ان کے معمولات میں سے یہ بھی تھا۔

وصل السلطان الی بغداد وھی المرۃ الثانیۃ ونزل بدار المملکۃ ونزل اصحابہ متفرقین...... وعمل المیلاد بغداد و تانقوا فی عملہ فذکر الناس انھم لم یروا بغداد مثلہ ابدا

(الکامل فی التاریخ: ۸۔ ۳۴۹)

رمضان میں سلطان بغداد آئے ان کی یہ آمد دوسری دفعہ تھی' وہ دارالمملکت میں' اور ان کے رفقا دیگر مقامات پر ٹھہرے اور بغداد میں میلاد کروایا گیا لوگ ان کے اس عمل پر بہت ہی خوش ہوئے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی مثل بغداد میں کبھی نہیں دیکھا۔

۲۔ امام شمس الدین محمد عثمان ذہبی سن (۴۸۴) کے تحت کہتے ہیں۔

وفی رمضان وصل السلطان الی بغداد وھی القدمۃ الثانیۃ وبادر الی خدمتہ اخوہ تاج الدولۃ تتش صاحب دمشق و قسیم الدولۃ اقسنقر صاحب حلب و غیرھما من امراء النواحی فعمل المیلاد بغداد و تانقوا فی عملہ علی عادۃ العجم وانبھر الناس وراؤ اشیاء لم یعھدوہ من کثرۃ النیران

ماہ رمضان میں سلطان بغداد آئے اور یہ دوسری دفعہ آنا تھا۔ ان کی خدمت میں ان کے بھائی تاج الدولہ تتش صاحب دمشق قسیم الدولہ اقسنقر صاحب حلب اور دیگر اطراف سے مختلف امراء بھی آئے' بغداد میں میلاد کی محفل سجائی گئی اور لوگوں نے بطریق عجم ان کے اس عمل پر خوب خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے اس قدر روشنی کبھی نہیں دیکھی۔

(تاریخ اسلام، حوادثات: ۴۸۴)

سرکاری مجلس مولود

اسی بات کا تذکرہ مولانا حسن مثنیٰ ندوی نے اپنے مقالہ ''جشن میلاد نبی ﷺ'' میں کیا ہے۔ سرکاری مجلس مولود کے عنوان کے تحت کہتے ہیں۔

عہد عباسی میں جب سلطان ملک شاہ سلجوقی کو عروج ہوا تو اس کے ایک سردار ابن آبق خوارزمی نے ۴۶۸ھ میں دمشق کو فتح کیا اور خلیفہ مقتدی بامر اللہ اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ یہ وہی خلیفہ ہے جس کے زمانے میں دوسری طرف یوسف بن تاشقین کو عروج ہوا اور اس نے درخواست بھیجی کہ جس قدر ملک میرے قبضے میں ہے اس کی سند مجھ کو دے کر سلطان کا لقب مرحمت ہو۔ مقتدی نے اسے سند بھیجی۔ ''سلطان'' کا لقب اور ''امیر المومنین'' کا خطاب عطا کیا۔ اسی یوسف بن تاشقین نے شہر مراقش کی بنیاد رکھی تھی۔ جو آج تک اس کی یادگار ہے بلکہ اُس دور کی بھی۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنی مہمات سے فارغ ہو کر سالہا سال کے بعد جب بغداد پہنچا تو یہ ۴۸۴ھ تھا۔ اُس نے ۴۸۵ھ میں ایک مجلسِ مولود دھوم دھام سے بغداد میں منعقد کی۔ اس کا بڑا چرچا ہوا۔ یہ ایک سرکاری اہتمام کی مجلس تھی۔ اس لیے تاریخ کے صفحات میں اس کو جگہ ملی۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ مجلسِ مولود اور تذکار رسول مقبول ﷺ کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہ بڑی غلطی ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ عید میلاد النبی ﷺ کا آغازِ قیام پاکستان کے

بعد ہوا۔ حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ قیام پاکستان سے پہلے مجالسِ میلاد النبی ﷺ کتنے اہتمام سے منعقد کی جاتی تھیں۔ ماہ مبارک ربیع الاول کی چھوٹی بڑی مجلسیں تو الگ رہیں، یہ حال تھا کہ موقع مسرت کا ہو یا غم کا۔ مسلمان تذکار رسول ﷺ ہی کے دامن کا سہارا لیتے تھے۔ کوئی اپنا مکان بنا کر تیار کرتا تھا تو اس کا افتتاح بھی مجلسِ میلاد ہی سے ہوتا تھا۔ مسلمان اس کو ہمیشہ موجب برکت و سعادت سمجھتے رہے، دوسرے فیوض اس سے جو حاصل ہوتے تھے وہ علیحدہ ہیں۔ مسلمانوں کو حضور ﷺ سے والہانہ محبت ہمیشہ رہی، وہ میلاد کی مجلسوں کے علاوہ ماہ رجب میں ''شب معراج'' کا ماہِ رمضان میں ستائیسویں کی رات ''شب قدر'' کا اہتمام بھی اسی جوش وخروش سے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ماہِ صفر کے ''آخری چہار شنبہ'' کو بھی نہیں بھولتے جس دن حضور ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا تھا۔

(سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر: ۲۔ ۴۱۱، ۴۱۲)

یہاں سے تو یہ اشکار ہو رہا ہے کہ حکومتی سطح پر میلاد ساتویں صدی میں نہیں بلکہ پانچویں صدی میں بھی منایا گیا۔

بزرگوں کا معمول

امام شہاب الدین عبدالرحمٰن ابوشامہ (۵۸۹۔ ۶۶۵) استاذ امام نووی نے بدعت کے خلاف مستقل کتاب ''الباعث علی انکار البدع والحوادث (بدعات کی مخالفت کا شوق) لکھی جس میں نہایت ہی واضح اور دوٹوک انداز میں شاہ اربل کے اس عمل کو پسندید اور بدعت حسنہ لکھنے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ یہ صالحین کا عمل ہے اور شاہ اربل نے ان

صالحین کی پیروی کی ہے ان کے الفاظ میں پڑھیے۔

فالبدع الحسنة متفق علی جواز فعلها والاستحباب لها ورجاء الثواب لمن حسنت نیته فیها وفی کل متبدع موافق لقواعد الشریعة غیر مخالف لشئی منها ولا یلزم من فعله محذور شرعی

بدعات حسنہ جن کے جواز و استحباب پر اتفاق ہے اور اچھی نیت سے انہیں بجا لانے والا ثواب پاتا ہے یہ ہر وہ نیا کام ہے جو قواعد شرع کے موافق ہو نہ کہ مخالف۔ اور اس پر عمل سے ممنوعات شرعی لازم نہ آئے۔

اس کے بعد متعدد مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں ہمارے دور میں شہر اربل میں محفل میلاد کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہ نہایت ہی خوبصورت و احسن عمل ہے۔

ومن احسن ما ابتدع فی زماننا من هذا القبیل ما کان یفعل لمدینة اربل جبرها الله تعالیٰ کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی صلی الله علیه وسلم من الصدقات و المعروف و اظهار الزینة والسرور فان ذلك مع مافیه من الاحسان الی الفقراء

ہمارے دور میں اسی قبیل سے سب سے زیادہ خوبصورت عمل وہ ہے جو شہر اربل (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے) میں ہر سال میلاد پاک کے موقعہ پر صدقات' بھلائی' اظہار زینت سرور کی صورت میں ہوتا ہے اس میں فقرا پر احسان اور انعقاد کرنے والے کے دل میں حضور ﷺ سے محبت

مشعر بمحبة النبی صلی الله علیه وسلم و تعظیمه و جلا لته فی قلب فاعله و شکرا الله تعالیٰ علی مامن به من ایجاد رسوله الذی ارسله رحمة للعالمین صلی الله علیه وسلم

اور آپ ﷺ کی تعظیم و عزت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ہے کہ اس نے اپنے عظیم رسول کو بصورت تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر پیدا فرمایا۔

اس کے بعد اس مقدس عمل پر یوں تائید لاتے ہیں کہ شہر موصل میں سب سے پہلے یہ عمل نہایت ہی کامل بزرگ عالم نے شروع کیا۔

وکان اول من فعل ذلک بالموصل الشیخ عمر بن محمد الملا احد الصالحین المشهورین وبه اقتدی فی ذلک صاحب اربل وغیره رحمه الله تعالی

(الباعث علی انکار البدع والحوادث‘ ۳۱)

سب سے پہلے یہ عمل شہر موصل میں شیخ عمر بن محمد ملا نے کیا جو نہایت ہی مشہور صالح بزرگ تھے صاحب اربل اور دیگر لوگوں نے ان کی پیروی میں یہ عمل شروع کیا۔

حضرت ملا علی قاری نے اس فتویٰ کا ذکر یوں کیا ملک مظفر شاہ اربل محفل سجاتے۔

اثنی علیه به العلامة ابو شامه

امام نووی کے استاد علامہ ابو شامہ

احد شیوخ النووی السابق فی الاستقامة فی کتابه الباعث (المورد الروی:۳۰)

جو صاحب استقامت ہیں نے ان کے اس عمل کی خوب تعریف کی ہے۔

امام کرخی حنفی (۲۶۰۔۳۴۰) کا معمول

یہاں ایک اور امت کے مسلمہ بزرگ کا عمل بھی سامنے لے آتے ہیں جن کا اسم گرامی امام اجل ابوالحسن عبید اللہ کرخی ہے۔ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کہتے ہیں۔

روی عن الامام الزاهد الکرخی وهومن زهاد القرن الرابع الهجری انه کان یولی یوم مولد الرسول صلی الله علیه وسلم ماهو خلیق به من تعظیم و تقدیس وقد احتفل المسلمون منذ ذلك الحین بلیلةمولد الرسول صلی الله علیه وسلم

(مجلہ لواء الاسلام، ربیع الاول، ۱۳۶۸: ۴۸۔۴۹)

امام زاہد کرخی کے بارے میں ہے جو چوتھی صدی ہجری کے نہایت ہی صاحب تقویٰ عالم ہیں کہ وہ حضور علیہ السلام کی ولادت کے دن کی خوب تعظیم اور اس کے شایاں شان اہتمام کرتے، اس وقت سے مسلمان محفل میلاد سجاتے ہیں۔

یاد رہے اس بزرگ کا وصال ۳۴۰ ہجری ہے یعنی مصر میں فاطمی حکومت سے اٹھارہ سال پہلے ان کا وصال ہوگیا اس سے واضح ہو جاتا

ہے کہ میلاد فاطمی حکومت کی ایجاد نہیں۔

ہم نے ابتداء میں تصریح کر دی تھی کہ حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ پر خوشی کا اظہار خود رسول اللہ ﷺ کا معمول ہے۔ تو اس کا سلسلہ نجی سطح پر ہمیشہ قائم رہا اور اس بادشاہ نے حکومتی سطح پر اس کا اہتمام کیا اور وہ بھی صالحین کی پیروی میں کیا۔ پھر اس دور کے عظیم محدث حافظ ابن صلاح جیسے محدثینِ کے استاذ حافظ ابوالخطاب بن دحیہ (۶۳۳ھ) نے کتاب بھی لکھی۔ الغرض تمام اہل علم اس عمل کو سراہا رہے ہیں لہٰذا ہمیں بھی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر اس عمل کو اپنا لینا چاہیئے البتہ جو جو قباحتیں در آئی ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے آؤ وہ ہم سب مل کر دور کریں۔

امام شیخ عمر ابن محمد الملا موصلی کا مختصر تعارف

یہاں شیخ عمر بن محمد ملا موصلی کا تعارف بھی ضروری ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس پایہ کی شخصیت ہے امام سبط ابن جوزی (۶۵۴) سلطان نورالدین زنگی کے بارے میں رقم طراز ہیں انہوں نے موصل میں جامع مسجد بنانا شروع کی تو اس کے تعمیر کی ذمہ داری شیخ عمر الملاء کو دی۔

وکان من الصالحین — اور یہ نہایت ہی صالح آدمی تھے۔

سلطان سے کہا گیا یہ کام ان کے بس کا نہیں تو کہنے لگا اگر میں یہ کام کسی حکومتی آدمی کے سپرد کرتا ہوں تو یہ ظلم و زیادتی سے خالی نہ ہوگا

وكان يعمل مولد رسول الله صلى الله عليه وسلم كل سنة ويحضره عنده صاحب الموصل والاكابر	یہ ہر سال حضور ﷺ کا میلاد مناتے اور اس میں موصل کا سربراہ اور دیگر اکابرین شریک ہوتے۔

سلطان نور الدین زنگی

كان يحبه ويكاتبه (مراۃ الزمان، ۸۔۳۱۰)	ان سے محبت کرتا اور ان سے خط وکتابت رکھتا۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں سلطان کی اپنے تمام عمال اور امراء کو ہدایت تھی۔

فما امرهم بهم شئ امتثلوا و كان من الصالحين الزاهدين وكان نور الدين يستقرض منه فى كل رمضان مايفطر عليه وكان يرسل اليه بقتيت ورقاق فيفطر عليه جميع رمضان	جب یہ کوئی حکم دیں تو اسے بجا لاؤ اور یہ نہایت ہی صالح اور زاہد بزرگ ہیں۔ سلطان نور الدین ان سے افطاری کے لئے اشیاء مانگا کرتا تو یہ اس کی طرف کچھ خوراک اور روٹی کے ٹکڑے بھیجتے جن پہ تمام رمضان میں افطاری کرتا۔

لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا سراسر غلط بیانی ہے کہ شیخ ابن دحیہ کے فتویٰ کی وجہ سے شہر اربل میں میلاد کے پروگرام شروع ہوئے جیسا کہ مولانا سعید الرحمٰن علوی کہتے ہیں۔

دلچسپ بات

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ امت کے محدثین واہل سیر میں سے کسی نے بھی انہیں یہ مشورہ نہیں دیا بلکہ ان کی خدمت کو سراہا اور ان کی اس کتاب سے خوب استفادہ کیا' یہاں ہم ایک مسلمہ عالم حافظ ابن کثیر کی رائے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

وقد وقفت علی هذا الکتاب وکتبت عنه اشیاء حسنة مفیدة

بندہ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے نہایت ہی قیمتی اور خوبصورت باتیں نوٹ کیں۔

(البدایہ: ۱۳۔۱۵۵)

تو جب اس قدر محققین اہل علم اس سے استفادہ کر رہے ہیں تو ہمیں بھی اسی راہ کو اپنا لینا چاہیے تاکہ منزل پاسکیں۔

آپ نے شیخ ابوالخطاب بن دحیہ کی کتاب' التنویر فی مولد السراج المنیر پر حافظ ابن کثیر کا تبصرہ پڑھ لیا کہ وہ نہایت ہی مفید کتاب ہے اور میں نے اس سے خوب استفادہ کیا ہے لیکن ہمارے دور کے ایک محقق کا تبصرہ بھی پڑھ لیجیے جنہوں نے اس کتاب کی زیارت تک نہیں کی۔

محترم مبشر لاہوری 'بدعت میلاد اور نفس پرست علماء' کے تحت لکھتے ہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ بعض خود غرض درباری مولوی نے بادشاہ وقت کی ان تمام خرافات کو عین شریعت اور کار ثواب قرار دے دیا۔

چنانچہ عمر بن حسن المعروف ابن دحیہ نامی ایک مولوی نے التنویر فی مولد البشیر النذیر' نامی کتاب لکھی جس میں کتاب وسنت کے

جس دنیا پرست مولوی نے اسے اس کام پر لگایا اس کا نام عمر بن دحیہ ابوالخطاب تھا۔ (ماہنامہ نصرت العلوم، مئی ۲۰۰۴ء)

بلکہ کچھ نے یہ کہا کہ ان پر لازم تھا کہ یہ بادشاہ کو اس عمل سے منع کرتے، انہوں نے اس کے ساتھ تعاون کر کے زیادتی کی شیخ جمال عزون لکھتے ہیں۔

كان من واجب ابن دحية. وهو العالم الحافظ ان يرشد هذا الملك الى ترك هذا الاحتفال المبتدع والاشغال بما يعود عليه وعلى الرعية بالنفع والصلاح لاان يؤلف له كتاباً فى المولد يزيده اعتقاداً فى صحة ما هو عليه من ولوع بالمولد وعظم فى الاحتفال به (مقدمة الايات: ۱۰۱)

شیخ ابن دحیہ جو عالم اور حافظ حدیث تھے۔ پر لازم تھا کہ وہ اس بادشاہ کو محفل میلاد جیسی بدعت میں مشغولیت سے منع کر کے اسے رعایا کے لئے نفع اور اس کی اصلاح کی کوشش۔ تلقین کرتے نہ یہ کہ میلاد پر کتاب لکھ کر اس کے اس اعتقاد کی صحت میں اضافہ کرتے کہ محافل میلاد کا انعقاد و اہتمام نہایت ہی خوب عمل ہے۔

ہمارے خیال میں تو بہتر راستہ وطریقہ یہی ہے کہ ہم بزرگوں کی راہ اپنالیں نہ کہ انہیں اپنا راستہ بدلنے کا مشورہ دیں۔ کہاں حافظ ابن صلاح جیسے محدثین کے استاذ حافظ ابن دحیہ اور کہاں ہم، ان کے علم و تقویٰ کے سامنے ہماری کیا حیثیت؟

نصوص کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اور انہیں تاویلات باطلہ کا لبادہ اوڑا کر عید میلاد کو شرعی امر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ملاحظہ ہو۔ البدایہ۔

(ماہنامہ محدث لاہور۔ جون ۲۰۰۳ء)

ہماری گذارشات

۱۔ اگر اس کتاب میں قرآن وسنت کے منافی مواد تھا تو وہ حافظ ابن کثیر کو کیوں نظر نہیں آیا؟

۲۔ کیا حافظ ابن کثیر قرآن وسنت کی تاویلات باطلہ کو اشیاء حسنہ مفیدہ کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ جن بزرگوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا مثلاً شیخ ابن خلکان، امام ابن ملقن، امام عینی اور امام مقری ان کی گواہی معتبر ہوگی یا ان کی جنہوں نے ابھی تک اسے دیکھا ہی نہیں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ کتاب دیکھی تک نہیں لیکن اس کے مواد کو غلط و باطل کہا جارہا ہے یہ کیسی تحقیق ہے اور ایسے محقق سے کیا عرض کیا جائے؟

۴۔ خود ہی سوچیئے حافظ ابن کثیر جیسے بزرگوں کے سامنے ہماری رائے کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے؟

۵۔ البدایہ کا حوالہ دیا گیا یہ صاحب وہاں ایک لفظ بھی دکھا سکتے ہیں جس میں ان کی تائید ہو بلکہ امام کی کتاب کے حوالہ سے وہی الفاظ وہاں موجود ہیں جو اوپر ہم نے نقل کردیے گویا جس کتاب کا حوالہ دیا جارہا ہے اس میں بھی بات برعکس ہے۔

یہ ہیں وہ پہلو جن کی وجہ سے امت میں ایسا افتراق و انتشار پیدا

ہوا کہ اس کا حل دکھائی نہیں دے رہا۔

۶۔ اگر حافظ ابن کثیر نے کسی اور جگہ ایسی کوئی بات لکھی تو ہمیں ضرور مطلع کریں ہم اسے شکریہ کے ساتھ یہاں شامل کر دیں گے۔

۷۔ امت کے اتنے بڑے امام' محدث اور راوی مسانید وسنن کے بارے میں ایسے الفاظ کسی کو زیب نہیں دیتے۔

۸۔ اگر امت کے ایسے مسلمہ امام' خود غرض' نفس پرست اور درباری مولوی ہیں تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

۹۔ اپنے اسلاف کے حوالے سے ایسی گفتگو' اسلام اور مسلمانوں کی کونسی خدمت ہے کیا اسے نادان دوستی سے تعبیر کیا جائے۔

۱۰۔ حقائق بیان کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری تھا یا جنہوں نے اس کا مطالعہ کی اان پر اعتماد کر لیا جاتا از خود اور اپنی طرف سے بات کہنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا بلکہ اس کی مذمت کرتا ہے۔

کتب موصوف اور اہل علم کی آراء

لگے ہاتھوں شیخ ابوالخطاب بن دحیہ کلبی کی کتب پر کچھ مسلمہ اہل علم کی آراء بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

۱۔ شیخ ابن نجار کا تبصرہ:

له كتب نفسية — ان کی تصانیف نہایت ہی قیمتی ہیں۔

(حاشیۃ المختصر المحتاج۔۳:۹۹)

۲۔ شیخ منصور بن سلیم سکندانی کا جملہ ہے۔

له تصانيف نفسية — ان کی تصانیف خوب ہیں۔

(الذیل علی تکملۃ الاکمال۔۳۴۹)

۳۔ امام ابن سید الناس الیعمری فرماتے ہیں۔

ولہ توالیف تشهد باستطلاعه وكثرة اطلاعه

ان کی تصانیف گواہ میں کہ ان کی نظر و مطالعہ کس قدر وسیع تھا۔

(اجوبۃ ابن سید الناس عن اسئلہ ابن ایبک۔۲۴۹)

۴۔ امام شمس الدین ذہبی (۷۴۸) کی سن لیجئے۔

وله تواليف تشهد بالطلاعه (میزان الاعتدال:۳۔۱۸۸)

ان کی تصانیف ان کی وسعت مطالبہ پر شاہد ہیں۔

۵۔ امام ابوحفص عمر بن ملقن (۸۰۴) اپنے ماخذ و مصادر کا تذکرہ کرتے ہوئے امام کی 'التنویر فی مولد السراج المنیر' سمیت پانچ کتب کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

ومن مصنفات ابی الخطاب بن دحية الايات البينات ومرج البحرين فی فوائد المشرقين والمغربين والعلم المشهود فی فضائل الايام والشهور و خصائص الاعضاء والتنوير فی مولد السراج المنير وغيرها من مؤلفاته المفيدة

(البدر المنیر :۱۔۲۹۱)

شیخ ابوالخطاب بن دحیہ کی تصانیف میں سے الایات البینات مرج البحرین فی فوائد المشرقین والمغربین، العلم المشهور فی فضائل الایام والشهور خصائص الاعضاء، التنویر فی مولد السراج المنیر اور دیگر کتب مفیدہ ہی میرا ماخذ ہیں۔

کیا محفل میلاد حکمرانوں
نے شروع کی؟

پیچھے تفصیل کے ساتھ سے گزر چکا ہے کہ میلاد النبی ﷺ پر خوشی منانا خود رسول ﷺ سے ثابت ہے صحابہ سے لیکر آج تک تمام مسلمان اس موقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور جن حکمرانوں نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا انھوں نے یہ عمل اپنے مسلمہ بزرکوں اور اہل علم سے ہی لیا مثلاً انعقاد محافل میں بڑا نام شاہ اربل سلطان مظفر الدین کوکبری کا ہے ان کے بارے میں امام نووی کے استاذ امام شہاب الدین عبد الرحمٰن ابوشامہ (۵۸۹، ۶۶۵) نے لکھا

ومن احسن ما ابتدع فی زماننا من هذا القبیل ما کان یفعل لمدینة اربل جبرها الله تعالیٰ کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدالنبی ﷺ من الصدقات

ہمارے دور میں اس قبیل سے سب سے خوبصورت عمل وہ ہے جو شہر اربل (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے موقعہ پر ہوتا ہے

اس کے بعد اس کی تائید لاتے ہوئے کہ شہر موصل میں سب سے پہلے یہ عمل نہایت ہی کامل اور عالم بزرگ نے شروع کیا

وکان اول من فعل ذلک بالموصل الشیخ عمر بن محمد الملا احد الصالحین المشهورین وبه اقتدی فی ذلک صاحب اربل وغیره رحمه الله تعالیٰ

سب سے پہلے یہ عمل شہر موصل میں شیخ عمر بن محمد ملا نے کیا جو نہایت ہی مشہور صالح بزرگ تھے صاحب اربل اور دیگر نے ان کی پیروی میں یہ عمل شروع کیا

(الباعث علی انکار البدع، ۳۱)

پیچھے یہ بھی گزر چکا ہے کہ یہ عمل امام ابو الحسن عبید اللہ کرخی (۲۶۰،۳۴۰) سے بادشاہوں نے لیا،

اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ لکھنا کیا معنی رکھتا ہے

چنانچہ مولود کی مجلس کو ایجاد ایک بادشاہ نے کیا کہ اس کا شمار عوام میں ہی ہوتا ہے اور عوام ہی اب تک اس میں شرکت بھی کرتے ہیں

(اشرف الجواب کامل، ۸۱)

مولانا کی دونوں باتیں قابل گرفت ہے

پہلی بات تو اس لئے کہ سابقہ ادوار میں مسلمان بادشاہ، عالم دین ہوا کرتے تھے اور وہ اہل علم ہی سے رجوع کیا کرتے، اوپر یہ گزرا کہ بادشاہوں نے یہ عمل اہل علم وفضل کی پیروی میں کیا، ان کی دوسری بات بھی حقائق کے خلاف ہے، محفل میلاد میں جس قدر اہل علم وفضل شریک ہوا کرتے ہیں اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ شاہ اربل کی منعقد محافل کی تفصیلات ہی اگر موصوف کے سامنے ہوتی تو وہ ہرگز ایسی بات نہ کرتے

آیئے کچھ تفصیل ملاحظہ کیجیے

ا۔ حافظ ابن کثیر (ت، ۷۷۴) ان محافل کے شرکاء کے بارے میں رقمطراز ہیں

وکان یحضر عنده فی المولد اعیان العلماء والصوفیة

شاہ اربل کی محفل میلاد میں اس دور کے بڑے بڑے علماء اور صوفیا شریک ہوتے

(البدایہ والنھایہ، ۱۳، ۱۴۷)

۲۔ علامہ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزی (۶۵۴) محفل میلاد کی تفصیل اور اہل علم کی شرکت کے بارے میں رقمطراز ہیں

وكان يعمل في كل سنة مولد النبي صلى الله عليه وسلم في ربيع الاول يجتمع فيه الدنيا من العلماء والفقهاء والوعاظ والقراء والصوفية	یہ ہر سال ربیع الاول میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سجاتے اس میں دنیا کے ہر درجہ کے علماء وفقہاء وواعظین، قرا اور صوفیہ شرکت کرتے

آگے چل کر اس میں شرکت کرنے والے صوفیہ کی تعداد بھی لکھی

وقد اجتمع فيه من الصوفية مابين ثماني مائة الى الف	اس محفل میں آٹھ صد سے ہزار تک صوفیہ شریک ہوتے

(مرأة زمان، ۸، ۶۸۰)

۳۔ قاضی شمس الدین ابن خلکان (۶۸۱) جو ان محافل کے چشم دید گواہ ہیں اہل علم کی شرکت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں

يصل اليه خلق كثير من الفقهاء والصوفية والوعاظ والقراء والشعراء	اس محفل میں کثیر مخلوق فقہاء ،صوفیہ، واعظین ،قرا اور شعراء کی تعداد شریک ہوا کرتی

آنکھیں کھولیں پڑھیے یہ شرکاء کون ہیں؟

آپ کے مرشد کا معمول اور قول

مولانا موصوف کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ان کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی محفل میلاد کا انعقاد کیا کرتے اس میں کھڑے ہو کر سلام وصلوۃ پڑھتے اور اس کو موجب برکت قرار دیتے اور فرماتے یہ ثقہ ومعتبر علماء وصلحاء کا معمول ہے وہ اپنے خلیفہ مولانا عبدالسمیع بیدل کی کتاب انور ساطعہ پر تقریظ میں رقمطراز ہیں

جواب ثالث کی تصریح یہ ہے فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع ہیت کذائیہ معمولہ علماء ثقات صلحاء ومشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے اور اکثر اس کا عامل ہے جیسا کی فقیر کی دیگر تقریرات وتحریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے

فقیر کو اس مجلس شریف کے باعث حسنات وبرکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین اس مجلس مبارک میں فیوض وانورو برکات ورحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے

(تقریظ برانوار ساطعہ، ۶۰۰)

اس میں ان کی یہ تصریح پڑھیے معمولہ علماء وثقات صلحاومشائخ کرام،

چھ سو برس سے

یہاں ایک ایسے عالم کا حوالہ نقل کیے دیتے ہیں جن کی ثقاہت پر ہم سب متفق ہیں اور وہ مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی ہیں محفل میلاد اور اس میں قیام کے حوالے سے رقمطراز ہیں

جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقت ذکر میلاد کے چھ سو برس سے جمہور علماء صالحین نے متکلمین اور صوفیہ اور علماء محدثین نے جائز رکھا۔۔۔۔۔۔۔اف ایسی تیزی کہ جس کے موافق جمہور متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے حرمین اور مصر اور شام اور یمن اور دیار عجیبہ لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ حضرات چند ہدایت پر

(تقریظ برانوار ساطعہ، ۵۹)

معلوم نہیں مولانا موصوف نے ایسی بات کیسے لکھ دی جب کہ تمام اہل علم اس بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ جس قدر محفل میلاد سے فیضان علماء، فقہاء، صوفیہ، اور اہل معرفت حاصل کرتے ہیں عوام سوچ بھی نہیں سکتے، یہاں ہم ہر دور کے کچھ اہل علم کی تصنیفات کا تذکرہ کیے دیتے ہیں جو انھوں نے محفل میلاد کے جواز وبرکات پر تحریر

کیں، آیئے کتب اور مصنفین کے نام ملاحظہ کیجیے

کتاب	مصنف
۱. حسن المقصد فی عمل المولد	امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ
۲. جزء فی المولد الشریف	امام عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ
۳. المورد الروی فی المولد النبوی ﷺ	ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ
۴. مولد النبی ﷺ	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ
۵. المورد الھنی فی المولد النبی ﷺ	حافظ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ
۶. جامع الآثار فی مولد النبی المختار	حافظ ناصر الدین دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ
۷. عرف التعریف بالمولد الشریف	امام شمس الدین ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ
۸. المیلاد النبوی	شیخ المحدثین امام ابن جوزی المتوفی (۵۹۷) ھ
۹. مورد الصاوی فی مولد الھادی	حافظ شمس الدین دمشقی
۱۰. الباعث علی انکار البدع والحوادث	امام ابوشامہ (۶۶۵) ھ
۱۱. التنویر فی مولد السراج المنیر	امام ابوالخطاب ابن دحیہ رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۲. نظم البلیغ فی مولد النبی الشفیع	امام یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۳. حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف	شیخ محمد علوی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۴. مولد النبی ﷺ	شیخ السید جعفر البرزنجی
۱۵. مولد الدیبعی	امام عبدالرحمٰن بن الدیبعی الشیبانی المتوفی (۹۴۴) ھ
۱۶. ماثبت بالسنۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۷. سمط الدرر فی اخبار مولد خیر البشر	امام علی بن محمد الحبشی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۸. مولد الغرب	شیخ محمد الغرب رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۹. مولد المصطفےٰ	الاستاذ خیر الدین وائلی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۰۔سبل الھدیٰ والرشاد — امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۱۔فیصلہ ہفت مسئلہ — حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۲۔سعید البیان فی مولد سید الانس والجان — شاہ احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۳۔اثبات المولد والقیام — شاہ احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۴۔خیر البیان فی مولد سید الانس والجان — شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر

۲۵۔خیر المورد فی احتفال المولد — شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۶۔اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام — مولانا سلامت اللہ رامپوری

۲۷۔الدر المنظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم — مولانا عبدالحق الہٰ آبادی

۲۸۔انوارِ ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ — مولانا عبدالسمیع رام پوری رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۹۔الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ — علامہ محمد صدیق حسن خاں بھوپالی

۳۰۔الیمن والاسعاد بمولد خیر العباد — سید محمد بن جعفر الکتانی

۳۱۔النفحۃ العنبریہ فی مولد البریہ — امام مجد الدین فیروز آبادی

۳۲۔الدر النظیم فی المولد النبی الکریم — علامہ سیف الدین ابو جعفر عمر بن ایوب حنفی

۳۳۔نہایۃ الارشاد الی احتفال المیلاد — مولانا عین القضاۃ لکھنوی

۳۴۔الدرۃ السنیۃ فی مولد خیر البریۃ — حافظ صلاح الدین خلیل العلائی

۳۵۔الدر المعظم فی المولد المعظم لابی القاسم السبتی — ۲ جلد

۳۶۔اذاقۃ الاثام لما نعی عمل المولد والقیام — مولانا نقی علی خان

۳۷۔مورد الصفاء فی مولد المصطفیٰ — محقق الشافعیہ شیخ ابن علان الصدیقی

۳۸۔رسالۃ فی الرد علی من انکر القیام عند ذکر ولادتہ — حافظ مغلطائی

۳۹۔بہجۃ السامعین والناظرین — علامہ نجم الدین الغیطی الشافعی

۴۰. المولد ﷺ	شیخ حسن بن علی المدائی
۴۱. مواکب الربیع فی مولد الشفیع	شیخ احمد الجلوانی
۴۲. الروائع الزکیه فی مولد خیر البریه علامه المحدث	شیخ عبداللہ الہرری المعروف بالحبشی
۴۳. استحباب القیام عند ذکر ولادته	علامہ شیخ محمد آفندی القاسمی
۴۴. دض النقول فی الرد علی حضر القیام عند ولادة رسول	علامہ شیخ محمد آفندی
۴۵. تاریخ الاحتفال بمولد سید الرجال	شیخ یونس السامرئی
۴۶. العروة الوثقی فی الدنیا والعقبی	علامہ محمد برہان الدین القادری حیدرآبادی
۴۷. مولد خاتم رسل الله	علامہ زاہد کوثری
۴۸. المولد الشریف النبوی	علامہ زاہد الکوثری
۴۹. مولد النبی المختار	الاستاد عبدالمنعم حمادہ
۵۰. المولد النبوی	امام عبدالغنی نابلسی
۵۱. المولد النبوی	شیخ محمد المغربی
۵۲. تثر الدرو علی مولد ابن حجر	سید احمد عابدین دمشقی
۵۳. المولد	شیخ احمد الدردیر المالکی (۱۲۰۱)
۵۴. عقد الجوهر فی مولد النبی الازهر	والدہ ماجدہ سید جعفر برزنجی
۵۵. شرح الکوکب علی عقد الجوهر فی مولد النبی الازهر	سید جعفر برزنجی
۵۶. اظهار الفرح والسرور بمیلاد النبی المبرور	شیخ ابوبکر احمد الباقوی
۵۷. المولد الشریف	شیخ عبداللہ حبشی
۵۸. بلوغ المامول بمولد الرسول	شیخ بن عیسیٰ مانع حمیری
۵۹. حفاوة المسلمین بمیلاد خیر المرسلین	شیخ متولی شعراوی
۶۰. المولد	امام ابن حجر مکی

امام ابوالخطاب بن دحیہ کلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا امت کے محدثین میں کیا مقام ہے اس کا اندازہ ہم اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ قاضی القضاۃ امام تقی الدین ابوطیب محمد بن احمد فاسی مکی مالکی (۷۷۵ھ۔۸۳۲ھ) نے انھیں ان محدثین میں شامل کیا ہے جن سے سنن اور مسانید مروی ہیں یعنی یہ بزرگ عالم کتب سنن ومسانید کے راویوں میں شامل ہیں، ان کی کتاب ذیل التقیید فی رواۃ السنن والمسانید کے صفحہ نمبر 236 کی من وعن کاپی ملاحظہ کیجئے۔

(جلد۲:۲۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ لبنان تحقیق شیخ کمال یوسف حوت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰ء)

[١٥١٧] عمر بن حسن بن علي بن محمد بن الجميل الكلبي الداراني ثم السبتي أبو الخطاب، المعروف بابن دحية، نزيل القاهرة.

روى عن أبي عبد الله محمد بن سعيد بن زرقون «صحيح مسلم»، أنا أحمد بن محمد الخولاني، أنا أبو ذر الهروي، أنا أبو بكر الجوزقي، أنا أبو حامد الشرقي، عن مسلم. وسمعه بعد ذلك عالياً بنيسابور على منصور الفراوي.

وسمع على أبي جعفر محمد بن أحمد بن نصر الصيدلاني باصبهان «المعجم الكبير» للطبراني.

وسمع بمصر من البوصيري، وطبقته.

وسمع بالأندلس من أبي القاسم بن بشكوال، وأبي عبد الله بن المجاهد، وأبي بكر بن أبجر، وأبي بكر بن جبير اللمتولي، وأبي القاسم بن حبيش، وطبقتهم.

وحج، وكتب بالمشرق باصبهان، والعراق، ونيسابور.

قال الأبار: كتب إلي بالإجازة سنة ثلاث عشرة وستمائة. وسمع مسند الإمام أحمد بواسط من أبي الفتح المندآئي.

وحدث في سنة ستمائة بالموطأ، سمعه منه أبو عمرو بن الصلاح.

مات في سنة ثلاث وثلاثين وستمائة في رابع عشر ربيع الأول، وقد نيف عن الثمانين سنة.

[١٥١٧] راجع ترجمته في: سير الذهبي ٢٢/٣٨٩، وفيات الأعيان ٣/٤٤٨، تذكرة الحفاظ ٤/١٤٢٠، النجوم الزاهرة ٦/٢٩٥، بغية الوعاة ٢/٢١٨، شذرات الذهب ٥/١٦٠، طبقات الحفاظ ص/٥٠١ ، حسن المحاضرة ١/١٦٦.